ماہنامہ
براہِ راست
لاہور

جلد 12 شمارہ 05
مئی 2026ء

اسرائیلی فوج پاگل ہو رہی ہے

ڈاکٹر اسامہ شفیق کی لرزہ خیز تحریر

پھانسی

صرف فلسطینیوں کے لیے۔۔۔کیوں؟ کب؟ کیسے؟

وہ جو منظر عام پر نہیں تھے!
اہل غزہ کے اپنے پرائے غدار

غزہ ہو گیا عالمی سرخیوں سے اوجھل
اہل غزہ سے غداری کس نے، کیوں کی؟

غزہ کا تورا بورا بنانے والے اسرائیل میں کیا سوچتے ہیں
غیر ملکی، غیر مسلم، غیر متعلقہ مبصروں کا سچ!

”غزہ کا بچپن“
غزہ کا بچپن: کبھی ملبے تلے دبا، کبھی قید کی تاریکیوں میں گھرا۔
1800 معصوم قیدی، اور سب سے چھوٹا صرف سات ماہ کا!
یہ اعداد و شمار نہیں، زندہ لاشوں کا نوحہ ہے۔

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام یعنی (خانہ کعبہ) سے مسجد

اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا تاکہ ہم

اسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔

ماہنامہ

براہِ راست

لاہور

جلد 12 شمارہ 04 مئی 2026ء

مُدیر: مرزا محمد الیاس

اس شمارے میں

■ کلام اقبال ■ اداریہ

پھانسی صرف فلسطینیوں کے لیے

اسرائیل: پھانسی کا قانون اور فلسطینی

غزہ کا تورا بورا بنانے والے اسرائیل میں کیا سوچتے ہیں؟

اہل غزہ سے غداری کس نے اور کیوں کی؟

- القسام بریگیڈ کے ترجمان ابوعبیدہ ثانی کا بیان
- 21 ماہ کے فلسطینی بچے کو صہیونیوں نے تشدد کا نشانہ بنایا
- فلسطینی نسل کشی۔ سب ہاتھوں نے پہن رکھے ہیں دستانے
- فلسطینی نسل کشی کے کچھ غیر محسوس کردار
- قابض اسرائیل کی فرعون سے محبت
- 3 سال بعد سرنگ سے واپسی۔۔۔ عجیب کرامات
- غزہ ہو گیا عالمی سرخیوں سے اوجھل
- غزہ جنگ کے بعد ضمیر کے زخم
- لبنان میں حضرت عیسیٰ کا مجسمہ توڑنے والا ہمارا فوجی: اسرائیل

ویب سائٹ: www.barah-i-rast.com

برقی پتہ ادارتی امور: editor@barah-irast.com

برقی پتہ انتظامی امور: contact@barah-i-rast.com

Price Rs.70

پبلشر مرزا محمد الیاس نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر 9/1A رائل پارک لاہور سے شائع کیا

کلامِ اقبال

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حجاب
عالم آب و خاک میں تیرے حضور کا فروغ
ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب
شوکت سنجر و تیرے جلال کی نمود
فقر و جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب
شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب
تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل و غیاب و جستجو عشق حضور و اضطراب

دیرالبلح میں انتخابات

گذشتہ ماہ کی 25 تاریخ کو ''اپنی نوعیت'' کے بلدیاتی انتخابات غزہ کے علاقے دیرالبلح میں منعقد کیے گئے۔ یہ حلقہ ایک لاکھ 75 ہزار فلسطینیوں پر مشتمل تھا۔ اکتوبر 2023ء سے جاری نسل پرستی نے ان سب کو بے گھر ہی نہیں کر دیا بل کہ گذشتہ سال کی آبادی کو جنوب اور جنوب کی آبادی کو شمال میں بے گھر کر دیا، جب اسرائیلی فوج غزہ میں داخل ہوئی تو پہلا کام یہ کر دیا کہ وسطی غزہ سے شمال اور جنوب کو کاٹ دیا۔

دیرالبلح اسی وسطی غزہ کا حصہ ہے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ دیرالبلح اس یلو لائن کے متوازی واقع ہے جس پر آج اسرائیلی فوج قابض ہے۔ گویا اس کے بالکل دائیں جانب صہیونی فوج نے کراسنگ بنائی ہے۔ اس طرح دیرالبلح اب ایسا نقطہ ہے جس کے قریب بھی پھٹکا نہیں جا سکتا۔

یہاں بلدیاتی انتخاب کے لیے 70,000 ووٹروں کی فہرست جاری کی گئی۔ یہ صرف ووٹرز تھے۔ ان کے بچے وغیرہ، غیر رجسٹرڈ ووٹرز تھے ہی نہیں۔ یہ فہرست دراصل محمود عباس کی فلسطینی اتھارٹی نے تیار کی تھی۔ صہیونی فوج نے اس نگرانی کی تھی۔ پونے دو لاکھ کی آبادی منتشر کر دی گئی تھی۔ پھر بھی یہاں 70 ہزار ووٹرز کی فہرست جاری کی گئی۔ یہاں 23 فیصد ووٹنگ کی شرح جاری کی گئی۔

حماس نے ان انتخابات میں حصہ نہیں لیا۔ وہ ایک طرف ہو کر محض تماشا دیکھتی رہی کہ کیا ہو رہا ہے۔ فلسطینی اتھارٹی کو بھی صرف یہ کہنے کی جرأت ہوئی کہ یہ ایک علامتی ووٹ تھا۔ یہ نام نہاد اتھارٹی اسرائیل اور امریکہ کی نگرانی میں یہ منصوبہ بنا رہی ہے کہ مستقبل کے لیے اس تجربے کو استعمال کیا جائے اور غزہ اور مغربی کنارے کے مشترکہ انتخابات قومی سطح پر کرائے جائیں اور 1995ء میں چار سال کے لیے صدر بنائے جانے والے محمود عباس عرف ابو مازن کو صدر منتخب کرا لیا جائے۔

سال 2026ء میں اسماعیل ھنیہ شہید کی قیادت میں حماس نے لینڈ سلائیڈ وکٹری کے ساتھ یہ انتخاب جیتے تو کہا گیا کہ ایک دہشت گرد تنظیم نے انتخابات ہائی جیک کر لیے۔ ایسا ان شاہوں اور شہزادوں کا سیاسی اقتدار بچانے کے لیے کیا گیا جو یہ جان گئے تھے کہ یہ نتائج کامیاب رہے تو عرب دنیا میں بھی آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کا سلسلہ چل نکلے گا۔ اگر ذہنوں پر زور دیا جائے یہ حقیقت سامنے آ جائے گی کہ اردن میں اخوان جیت گئے تھے۔ ان کا رکن پارلیمنٹ کا سپیکر بن گیا تھا۔ سعودی عرب نے ڈھیلی ڈھالی کونسلیں بنا دی تھیں جو کسی بھی اختیار سے خالی تھیں۔ پہلا کام یہ کیا گیا کہ سعودی عرب نے وہ امداد بند کر دی جو وہ غزہ کے لیے دیا کرتا تھا۔

اب مبصرین کہہ رہے ہیں اور شاید بجا کہہ رہے ہیں کہ لوگ بہت کم تعداد میں ووٹ ڈالنے آئے تو یہ متوقع ہی تھا غزہ میں لوگ بے گھر ہیں۔ ملبہ جا بجا ہے۔ بارش ہوتی ہے تو کئی کئی دن پانی کھڑا رہتا ہے۔ فلسطینی باز وا اپنے بچوں کو اٹھائے کبھی کندھوں پر اور کبھی سر پر اور کبھی سر سے بھی اوپر اٹھائے پھرتے ہیں۔ ایسے میں یہ علامتی ڈرامہ چہ معنی دارد؟

ان انتخابات کو بہت کم رپورٹ کیا گیا۔ مغربی میڈیا نے تقریباً ان کا بلیک آؤٹ کیا۔ کہیں چھوٹی موٹی خبر دے دی یا زیادہ تر ایک ہی تصویر سب نے شائع کی جس میں ایک خاتون ووٹ ڈال رہی ہے۔ مبصرین نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اب بھی فلسطینی در بدر اور بے گھر کیے جا رہے ہیں۔ قابض فوج کو جب لگتا ہے کہ یہاں یہ فلسطینی بیٹھے ہیں، ان کو کچھ دن ہو گئے ہیں، ان کے بچے پڑھنے لگے ہیں، مساجد اذانوں سے گونجنے لگی ہیں تو ان کو پھر بھٹکنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔ پھر کیسے یہ ممکن ہو سکا کہ دیرالبلح کے رہنے والوں اور وسطی غزہ کے مکینوں کو ان کے ٹھکانوں پر رہنے دیا جاتا۔ ان کی تقدیر بھی ابھی تک نکبہ کے عملی

مناظر ہی دیکھ رہی ہے۔

اس وقت بھی صورت حال یہی ہے کہ ابھی فلسطینی بے گھر کیے جاتے رہیں گے۔ خواہ وہ دیرالبلح کے ہوں یا جبالیہ کے ہوں۔ عالمی اداروں بہ شمول اقوام متحدہ، عالمی بنک، یورپی یونین، حقوق انسانی کے ادارے، سب بار بار کہہ رہے ہیں کہ 20 لاکھ فلسطینی بار بار بے گھر کیے جا رہے ہیں۔ کہیں استحکام نہیں ہے۔ سب کی معیشت برباد ہے۔ پانی نہیں ہے، غذا نہیں ہے۔ جو کچھ قسمت سے میسر آتا ہے، اس سے زیادہ سے زیادہ دن گزارنے کی اپنی سی کوشش کی جاتی ہے۔

اکتوبر 2025ء میں ہونے والے جنگ بندی کے معاہدے کے باوجود صہیونی فوج روزانہ فائرنگ کرتی ہے، لاشیں گراتی ہے۔ اس وقت سے اب تک ایک بہت محتاط اعداد و شمار کے مطابق 738 فلسطینی جام شہادت نوش کر چکے ہیں، سینکڑوں زخمی ہیں، ہسپتال جیسے بھی ہیں، ان سے بھرے پڑے ہیں۔

صہیونی فوج غزہ کے نصف سے زیادہ حصے میں بدستور موجود ہے۔ کسی استحکام فورس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ کسی بورڈ آف پیس کا نام نہیں لیتا۔ ییلو لائن کو ایک عارضی انتظام کہا گیا تھا لیکن اس نے غزہ پر نہ صرف صہیونی قبضہ مستحکم کر دیا ہے بل کہ نا کہ بندی اور محاصرہ شدید کر دیا ہے۔ یہ لائن باقاعدہ مستحکم سرحد بنا دی گئی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ تل ابیب اور حیفا سمیت جو شہر ایران کے حملوں سے تباہ ہو رہے ہیں، وہاں کی آبادی کو غزہ میں بسایا جا رہا ہے۔ اسی لیے ایک اور نسل کشی مہم جاری ہے۔ یہ تیزی پکڑ رہی ہے۔ اس سے یوں لکھا ہے کہ 20 لاکھ فلسطینیوں کی بڑی تعداد قتل کر دی جائے گی۔

اسرائیل کے ملٹری چیف کے بیانات سے بھی اس منصوبے کی تائید پر دوسرے یا تیسرے دن ہوئی ہے۔ دسمبر 2025ء میں غزہ کے دورے کے موقع پر ملٹری چیف نے صاف الفاظ میں کہا تھا کہ یہ لائن ہی اب مستقل سرحد کا کام دے گی۔ معاملے کی سنگینی اور شدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہر فلسطینی کم از کم ایک بار تو بے گھر ہو چکا ہے۔ اب زیادہ تر آبادی کو مشرق کی جانب دھکیل دیا گیا ہے۔ ایسے میں محمود عباس اس الہڑ بڑھاپے میں شاہی بگھی پر سوار ہو کر صدر کی حیثیت سے آنا چاہتے ہیں۔

ییلو لائن کے قریب غلطی سے جانے والے 20 فلسطینی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ ابوشعبان خاندان کے 11 افراد بھی یہ سزا پا کر زندگی کی بازی ہار چکے ہیں۔ ان میں سات بچے بھی شامل ہیں۔ اسرائیلی فوج ان فلسطینیوں کو بہ طور خاص نشانہ بناتی ہے جو اپنے ٹوٹے پھوٹے گھر تلاش کرتے ہیں۔ اگر کوئی صحن یا کمرہ سلامت ملتا ہے تو اس کی صفائی میں لگ جاتے ہیں اور گولیوں سے بھون دیے جاتے ہیں۔

صہیونی فوج ییلو لائن کے قریب غلطی سے جانے والے کو مار دیتی ہے اور خود غزہ کے اندر بڑھتی جا رہی ہے۔ گویا یہ لائن غزہ کے اندر آ رہی ہے اور فلسطینی باہر نکالے جا رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سمندر کنارے تفریح گاہ بنانے کا منصوبہ بنانے کے لیے زمین فلسطینیوں سے چھینی جا رہی ہے۔ اس زمین پر ایک طرف یہودیوں کی بستیاں بنانے کے لیے ایلون مسک کام کر رہا ہے۔ دوسری طرف شہزادے عیاشی کے اڈے تعمیر کرنے کے منصوبوں پر کام کر رہے ہیں۔ ایران سے جنگ نے بہت سے منصوبے تباہی سے دوچار کر دیے ہیں لیکن اسرائیل کے رئیل اسٹیٹ بروکرز اپنا کام کر رہے ہیں۔

ایک اور کوشش یہ ہو رہی ہے کہ غزہ سے فلسطینیوں کو بے دخل کر کے جنوبی اسرائیل کی طرف لے جایا جا رہا ہے۔ اس طرح انہیں اسرائیل کے رامون ائیر پورٹ کے قریب کیا جا رہا ہے تا کہ ان کو وہاں سے انڈونیشیا، ملائیشیا اور جنوبی افریقہ منتقل کر دیا جائے۔ بہت بڑی تعداد میں فلسطینی یہ جانتے ہی نہیں ہیں کہ انہیں کس طرف، کہاں اور کیوں لے جایا جا رہا ہے۔

ان منصوبوں اور حالات کو دیکھیں تو دیرالبلح میں ہونے والا انتخابی تماشا غیر ضروری محسوس ہوتا ہے۔ لیکن اس کے پس پردہ ذہنیت یہ ہو سکتی ہے کہ فلسطینی اس دھوکے میں رہیں کہ انتخابات ہو رہے ہیں تو انہیں کچھ سکھ کا سانس لینے کا موقع ملے گا۔ لیکن وہ نہیں جانتے کہ یہ تجربات بھی جاری رہیں گے اور کسی دن کسی کو یہ علم ہو گا کہ اس کے والدین جنوبی افریقہ اور بہن بھائی انڈونیشیا ٹرانسفر کر دیے گئے ہیں جہاں وہ گداگروں کی فوج میں شامل ہو جائیں گے یا وہاں کے نظر بندی کیمپوں اور جیلوں میں اسی طرح سے قید کر دیے جائیں گے جس طرح اسرائیل میں اب پھانسی ان کا انتظار کر رہی ہے۔

اس وقت جن فلسطینیوں نے باہر جانے کا فیصلہ ہے اور 5 ہزار ڈالر وصول کر لیے ہیں، وہ ان میں سے 2000 ڈالر المجد نامی تنظیم کو دے رہے ہیں۔ یہ تنظیم ان سے کہہ رہی ہے کہ وہ ان کو جنوبی افریقہ لے جائے گی۔ پھر کیا ہو گا؟

غرض یہ کہ دیرالبلح کا انتخابی ڈھونگ فلسطینیوں کے مستقبل کو کیمو فلاج کرنے کا کام دے رہا ہے۔ محمود عباس دیکھتے رہ جائیں گے۔ غزہ کے بعد مغربی کنارے سے رضا کارانہ ہجرت بھی ہو گی اور انتخابی کھیل بھی اس کے متوازی جاری رہے گا۔

تجزیہ: پال گریگوری

پھانسی صرف فلسطینیوں کے لیے

اسرائیل نے حال ہی میں ایک قانون (کنیسٹ میں) پاس کیا ہے۔ اس قانون کے ذریعے ریاستِ اسرائیل قیدیوں کو پھانسی کی سزا دے سکے گی۔ اس قانون میں کہا گیا ہے کہ ایسے حملہ آوروں کو سزائے موت دی جائے گی جو ایسے جرائم کے مرتکب پائے گئے ہوں جو اسرائیلی ریاست پر جان لیوا حملوں میں ملوث ہوں۔ ان کو پھانسی دی جائے گی۔ اس قانون کا اطلاق فلسطینیوں کے علاوہ کسی اور قیدی پر نہیں ہو سکے گا۔ اس سزا کے پانے والوں میں ''اسرائیلی عرب'' بھی شامل ہوں گے۔ ان سب قیدیوں کو سزائے موت دینے کا اختیار رکھنے والی عدالت میں پیش کرنے کا انحصار حکومت پر ہوگا۔ اس کا اطلاق اسرائیلی یہودیوں پر نہیں ہو سکے گا۔ آبادکار یہودی پر بھی یہ قانون لاگو نہیں کیا جائے گا۔ یہ ایسا قانون ہے جو آبادی کے ایک حصہ پر استعمال کیا جائے گا اور اکثریت اس سے مبرا ہوگی۔ ایسی ریاست اور ایسی قانون سازی کو "نسل پرست" قرار دیا گیا ہے۔ بین الاقوامی قانون ایسے اقدامات کو صریحاً مسترد کرتا ہے اور اسے امتیازی قانون قرار دیتا ہے۔

کنیسٹ میں یہ قانون یہودی پارٹی اے بی ایم کے پلیٹ فارم سے پیش کیا گیا جس کا مکمل نام Otzma Yehudit ہے۔ پارٹی کے پارلیمانی رکن (Limor Son Har-Melech) لیمورسن ہارمیلیچ اس قانون سازی کے محرک بنے۔ اس کا بل 11 نومبر 2025 کو کنیسٹ میں پیش کیا گیا۔ اس قانون کو ''فوجداری قانون میں ترمیم نمبر 159 کے تحت'' ڈیتھ پینلٹی کے عنوان سے پیش کیا گیا، منظوری کے بعد اس قانون کو ''دہشت گردوں کو سزائے موت'' کے عنوان دیا گیا۔ پاس ہونے کے بعد اسے 2026-5786 قرار دیا گیا۔ اسے اسرائیلی پارلیمان نے پیر 30 مارچ 2026 کو منظور کیا، اس طرح اسے ایک اتحادی حکومت نے تیار اور منظور کیا۔ اس کے پاس ہونے میں مرکزی محرک نیشنل سیکورٹی کے وزیر بن گویر تھے جو خود بھی اے بی ایم پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس قانون کے پاس ہونے پر سب سے زیادہ خوشی بن گویر نے ہی منائی۔ وہ فلسطینی قیدیوں کو سزائے موت بذریعہ پھانسی دینے کی کافی عرصے سے وکالت کر رہے تھے اور ارکانِ پارلیمان سے رابطے میں رہے۔ ان کے پُرجوش اور خوش ہونے کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ شیمپین شراب کی بوتلیں ساتھ لے کر کنیسٹ میں آئے۔ جب یہ قانون 48 ووٹوں کے مقابلے میں 62 ووٹوں سے پاس ہوا تو انہوں نے شراب کی بوتل کھولی اور دوسرے ارکان کو بھی اس عمل میں شریک کیا۔ بن گویر نے الجزیرہ کو اتوار (منظوری سے ایک دن قبل) ہی مطلع کر دیا تھا کہ وہ فلسطینیوں کو قطار در قطار پھانسی دینے کے لیے انتظامات کرنے میں مصروف ہیں۔ وہ ظاہر کر رہے تھے کہ وہ فلسطینیوں کو پھانسی گھاٹ میں لٹکے دیکھنا چاہتے ہیں۔

دنیا میں سزائے موت ایک انتہائی متنازع قانون کی وجہ سے دی جانے والی سزا کے طور پر

دیکھا جاتا ہے۔ امریکہ، چین، ایران اور سعودی عرب میں مجرموں کو پھانسی دی جاتی ہے۔ یہ سزا ایسے جرائم میں دی جاتی ہے جو اپنی نوعیت میں بہت سنگین ہوں یا ریاست کے خلاف اقدامات میں ملوث ہوں۔ لیکن اسرائیل میں جو قانون منظور کیا گیا ہے وہ اس اعتبار سے نہایت امتیازی اور نسلی تعصب پر مبنی ہے کہ اس کا اطلاق صرف فلسطینیوں پر ہوگا۔ اسرائیل ان کو ختم کرنے کے لیے پہلے ہی کئی سال سے غزہ میں نسل کشی (Genocide) سے قتل کر رہا ہے۔ اس قانون کا مقصد کسی بھی فلسطینی کو گرفتار کر کے سزائے موت دینا ہے تاکہ اس قانون کے غلط استعمال سے نسل پرستی کو جاری رکھنا ہے۔

یہ انسانی حقوق کی اپنی نوعیت کی سنگین خلاف ورزی ہے اور اس سے ہر ایک انسان کو خوف زدہ کیا جائے گا جو امریکہ اور سنگل فورسز میں ہے۔ یہ قانون سزا پانے والے کسی بھی اور ہر کسی فلسطینی کو دہشت گرد قرار دے کر موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔ فرانس، جرمنی، اٹلی اور برطانیہ نے اس قانون کی شدید الفاظ میں مذمت کی ہے حتیٰ کہ آسٹریلیا نے بھی اس کو ناقابلِ قبول کہا ہے۔ ان اقوام نے اسے بین الاقوامی قانون کی توہین اور خلاف ورزی قرار دیا ہے۔ ان اقوام نے یہ بھی کہا ہے کہ امریکہ اور اسرائیل کی ایران کے خلاف مارے جانے والوں کے مقابلے میں یہ قانون باعثِ شرم ہے۔

اسرائیل کو ہمیشہ کی طرح بین الاقوامی قوانین کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ اس لیے اس قانون کے بارے میں مخالفت کو اس نے کوئی اہمیت نہیں دی، بلکہ وہ فلسطینی قیدیوں کو پھانسی دے رہا ہے۔ اس نئی قانون سازی میں کہا گیا ہے کہ یہ سزا اس ملزم کو دی جائے گی جو اسرائیل کے کسی شہری یا شہریوں کو جان سے مار دے گا اور وہ یہ کام جرم کرنے کے ارادے سے کرے گا۔

اس قانون کے دوسرے حصے میں کہا گیا ہے کہ جب مجرم کا تعلق یہودیہ اور سامریہ کے علاقوں سے ہوگا اور وہ فلسطینی ہوگا تو اسے تختہ دار پر لٹکا دیا جائے گا۔ یہ مغربی کنارے کے علاقے ہیں جنہیں اسرائیل یہودیہ اور سامریہ کے نام دیتا ہے۔ اب ملٹری عدالت میں کسی بھی مقدمے کا سیدھا مطلب یہ ہے کہ سزائے موت دی جائے گی اور ملزم کو کسی صورت مقدمے سے بری نہیں کیا جائے گا۔ اس یقینی سزا میں یہ گنجائش رکھی گئی ہے کہ کوئی جج جس نے جن حالات میں جرم کا ارتکاب کیا اور حالات ایسے تھے کہ اس کے سوا اس کے پاس کوئی راستہ نہیں تھا تو اسے سزائے موت نہیں دی جائے گی اور اسے عمر قید ہوگی۔ ملٹری کمانڈر کسی بھی صورت میں اس کی سزا میں کمی یا معاف کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ یہ مغربی کنارے سے تعلق رکھنے والے مجرم کے معاملے میں انتہا پسندانہ سلوک ہوگا۔

ہر اس ملزم (مجرم) کو سزائے موت دی جائے گی جو دہشت گردی میں کسی بھی صورت میں ملوث پایا جائے گا۔ وہ یہ اقدام اسرائیل کے اندر کرے گا۔ جب عام عدالت کسی کو سزائے موت دے گی تو عدالت کو یہ اختیار دے گی کہ وہ عدالت اس سزا پر عمل درآمد کرنے کا حکم دے یا نہ دے۔

اب تک عام عدالتوں کے ججوں کی تعداد بہت محدود ہے جو کسی مقدمے کی سماعت کر رہے ہوں کہ کسی کو سزائے موت دیں تو ہر صورت میں اس پر عمل بھی کرائیں۔ یہ ان کی صوابدید ہے۔ جب کسی کو بھی سزائے موت کا فیصلہ دیا جائے گا، خواہ یہ فیصلہ فوجی عدالت نے دیا ہو یا عام عدالت نے دیا ہو، اس سزا پر عمل درآمد کا طریقہ ہمیشہ کے لیے طے کر دیا گیا ہے کہ اسے تختہ دار پر لٹکا دیا جائے گا۔ اس کے سوا کوئی دوسرا طریقہ استعمال نہیں کیا جائے گا۔ پھانسی پر عمل درآمد کرنے والوں کی شناخت کسی بھی صورت ظاہر نہیں کی جائے گی، ان کے نام خفیہ رکھے جائیں گے۔

سزائے موت کے اس قانون کے ذریعہ کچھ جرائم میں کمی لائی گئی ہے۔ اس سے پریزن آرڈیننس تبدیل ہو جائے گا۔ ایک ترمیم میں قیدی کو بتا دیا جائے گا کہ اسے کس دن اور کس طرح پھانسی دی جائے گی۔ قیدی کو مطلع کرنے کے بعد ایک الگ مخصوص قید میں رکھا جائے گا۔ اسے عام الفاظ میں ''موت کی کوٹھڑی'' میں شامل کر دیا جائے گا۔ جب کسی کو سزائے موت سنائی جائے گی تو 90 روز میں اس پر عمل درآمد کر دیا جائے گا۔

ایک ترمیم یہ بھی کر دی گئی ہے کہ اسے بالکل الگ تھلگ کر کے رکھا جائے گا کہ دوسرے قیدی اس سے مل نہیں سکیں گے، صرف جیل حکام اس سے رابطہ کر سکیں گے، مذہبی حکام سے اسے ملنے دیا جائے گا، صرف سرکاری افراد مل سکیں گے۔ اگر کسی نے ملنا ہو تو اسے وزیر سے اجازت لینا ہوگی۔ مرنے کے وقت سرکاری افراد، عزیز و اقارب اور ڈاکٹروں کو ملنے دیا جائے گا۔

سزائے موت کا قانون: اسرائیل کی طرف سے سزائے موت دینے کی طرف رجوع عمومی طور پر عالمی روایت کی خلاف ورزی ہے جو سزا دینے کے خلاف ہے۔ خود اسرائیلی حکومت طویل مدت سے سزائے موت دینے کے خلاف رہی ہے۔ اسرائیل کے چند مخصوص قوانین مخصوص حالات میں ہی سزائے موت کا حکم دیتے ہیں۔ اسرائیل ''ڈی فیکٹو'' اس قانون پر عمل درآمد کے سرکاری سطح پر مخالفت کرتا آیا ہے۔ آخری بار اس نے

کسی مجرم کو 1962 میں یہ سزا دی تھی۔ تل ابیب نے بے شمار مواقع پر سزائے موت کے خلاف دلائل دیے ہیں اور کہا ہے کہ سزائے موت کے قانون کو دنیا بھر سے ختم کر دیا جائے۔ وہ اقوامِ متحدہ میں بھی اس قانون کو ختم کرنے کا اعلان کر چکا ہے۔

اس وقت دنیا کے 55 ممالک اس قانون پر عمل درآمد کر رہے ہیں۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے 2024 میں یہ وضاحت کی تھی کہ اس سال 2087 مجرموں کو سزائے موت کا حکم دیا گیا تھا۔ اس سال 15 ممالک نے اس قانون پر عمل درآمد کیا تھا اور 1153 مجرموں کو سزائے موت دی گئی تھی۔ 2024 کے آخر تک 113 ممالک نے موت کی سزا کے قانون کو ختم کر دیا تھا۔

اس وقت سب سے زیادہ مجرموں کو سزائے موت چین میں دی جا رہی ہے۔ تاہم دنیا میں بہت کم ممالک ایسے ہیں جو موت کی سزا سناتے ہیں اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔ جب اعداد و شمار جمع کیے جاتے ہیں کہ کتنے افراد کو سزائے موت دی گئی تو چین میں سزا پانے والوں کی تعداد کو اس ان اعداد و شمار میں شامل نہیں کیا جاتا۔ انسانی حقوق کی تنظیموں کا کہنا ہے کہ 2024 میں چین میں جن افراد کو سزائے موت دی گئی ان کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ ایمنسٹی کا کہنا ہے کہ سزائے موت دنیا بھر سے ختم کی جانی چاہیے۔ لوگوں کی ایک تعداد ایسی ہے جنہیں بے قصور ہونے پر سزا دی جاتی ہے۔ اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ یہ سزا جرم کے خاتمے میں مدد نہیں دے رہی۔ لوگوں پر جرم ثابت ہوئے بغیر یا ناقص تفتیش کے نتیجے میں لوگوں کو یہ سزا دی جاتی ہے۔

اسرائیل میں انسانی حقوق کی تنظیمیں جیسے عدالت، تشدد کے خلاف پبلک کمیٹی، فزیشنز فار ہیومن رائٹس اسرائیل اور HaMoked انسانی حقوق سے متعلقہ امور اور مقدمات پر خصوصی توجہ دیتی ہیں۔ وہ خاص طور پر مقبوضہ عرب علاقوں کے رہنے والوں پر ان مقدمات میں دلچسپی لیتی ہیں۔ انہوں نے 26 مارچ 2026 کو ایسے مقدمات میں سزائے موت دیے جانے کے حقائق پر رپورٹس شائع کی ہیں۔ یہ تمام رپورٹس اس قانون کے بننے سے پہلے شائع کی گئی تھیں۔ ان کا موقف ہے کہ یہ تمام معاملات بین الاقوامی حقوقِ انسانی کی سنگین خلاف ورزی کی نشان دہی کرتے ہیں۔ یہ اسرائیل کے اپنے بنیادی حقوق سے متعلقہ عدالتوں اور قوانین کے خلاف بھی ہیں۔

ایک معاملہ یہ بھی ہے کہ یہ قوانین نسلی اور لسانی بنیاد پر تیار اور نافذ کیے جا رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ خاص طور پر فلسطینیوں کو نشانہ بناتے اور ان پر ہی لاگو کیے جا رہے ہیں۔

فلسطین کے لیے جدوجہد کرنے والوں کو دہشت گرد قرار دے کر جیلوں میں بند کر دیا جاتا ہے۔ ان کو معمولی مقدمات پر برسوں بند رکھا جاتا ہے۔ ان کی ایک تعداد جیلوں اور نظر بندی کیمپوں میں ہی مر جاتی ہے۔ انہیں جیل حکام خود ہی دفن کر دیتے ہیں۔ باہر کی دنیا کو ان میں سے زیادہ تر معاملات کا علم بھی نہیں ہوتا۔ انٹرنیشنل کوونینٹ فار پولیٹیکل اینڈ سول رائٹس اور سیاسی حقوق کے بارے میں عالمی قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے فلسطینیوں کو لمبی مدت کے لیے بغیر مقدمہ چلائے بغیر قید رکھا جاتا ہے، انہیں تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اس طرح عدم تشدد کے بارے میں بین الاقوامی روایات اور قوانین کے علی الرغم شدید تعذیب کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

فوجی عدالتوں کے امور میں مقبوضہ عرب علاقوں سے پکڑے جانے والوں کو دہشت گردی کے معمولی واقعات میں ملوث قرار دے کر شدید تشدد کیا جاتا ہے۔ ان کو اکثر و بیشتر وکیل کی خدمات بھی حاصل کرنے نہیں دی جاتی۔ پراسیکیوشن کی کسی درخواست کے نہ ہوتے ہوئے بھی عمر قید کی سزا دے دی جاتی ہے۔ یہ سب فلسطینی ہوتے ہیں۔ ان کے خلاف مقدمات کا فیصلہ ''خصوصی وجوہات'' پر قرار دے کر سزا سنا دی جاتی ہے۔ ان وجوہات کا کسی کو علم نہیں ہو پاتا۔

ان تمام امور میں اسرائیلی باشندوں کو استثنیٰ دیا جاتا ہے۔ فوجی عدالتیں صرف فلسطینیوں کے معاملات کا فیصلہ کرتی ہیں۔ ان میں کسی اسرائیلی پر مقدمہ درج ہی نہیں کیا جاتا۔ اسرائیل میں باہر کے ملک سے بسائے گئے یہودی آبادکاروں کو بھی استثنیٰ ملتا ہے، ان پر کبھی کسی عام عدالت میں شاذ ہی مقدمہ درج کیا جاتا ہے۔ ان کو وارننگ دے کر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اسرائیل کی تنظیم (B'Tselem) کے مطابق فلسطینیوں کے فوجی ٹرائل میں 96 فیصد کو سزا سنا دی جاتی ہے۔ ان قیدیوں پر تشدد کر کے ایسے جرائم کا اعتراف کرایا جاتا ہے جو انہوں نے کیے ہی نہیں ہوتے۔

ہر وہ ریاست جو ایسے مقدمات میں سزائے موت کے قانون کی مخالفت کرتی اور ان قوانین کے خاتمے کا مطالبہ کرتی ہے، اسرائیل کے حکام کا کہنا ہے کہ فلسطینیوں کو سزائے موت دینا سیکورٹی کی ضرورت ہے۔ حقیقت میں یہ سزا امتیازی سلوک ہے۔ ان سزاوں کے خلاف اپیلوں پر شدید پابندیاں لگا دی جاتی ہیں۔ 90 دنوں کی مدت میں ان اپیلوں کا فیصلہ بھی نہیں کیا جاتا اور سزائے موت دے دی جاتی ہے۔

براہ راست رپورٹ: حافظ عمر فاروق

اسرائیل: پھانسی کا قانون اور فلسطینی

اسرائیلی پارلیمان نے ایک قانون کی منظوری دی ہے۔ اس قانون کے ذریعے فلسطینیوں کے لیے موت کی سزا طے کی گئی ہے۔ یہ ایسے فلسطینیوں کو دی جائے گی جو اسرائیلی حکومت کے خیال میں بالخصوص طبقات میں دہشت گردی کے حملے کریں گے جس میں جان جاسکتی ہو۔

اس قانون کی بین الاقوامی برادری نے، انسانی حقوق کے اداروں اور اقوامِ متحدہ کی کونسل برائے انسانی حقوق نے سخت الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ فلسطینیوں کے خلاف امتیازی قانون ہے۔ ان کے مطابق اس قانون کی منظوری سے اسرائیل نے نسل پرست انتظامیہ (Apartheid) کے کردار کو مزید گہرا کرلیا ہے۔ یہ قانون اسرائیل کے کسی بھی یہودی شہری پر لاگو نہیں ہوگا۔ اس کی منظوری پر اس کے لیے کام کرنے والے سیاست دانوں اور یہودیوں میں جشن کا سماں پیدا ہوا ہے۔ اس قانون نے صیہونیت کے کردار کو مزید خون آلود بنا دیا ہے۔

اس قانون کی منظوری پر فوری طور پر فرانس، جرمنی، اٹلی اور امریکہ نے شدید خدشات ظاہر کیے ہیں۔ بہت سے ممالک نے اس قانون کو نسل پرست قرار دیا ہے جس کے الفاظ اور دفعات سے فلسطینیوں کو نشانہ بنانے کے عزائم کا کھل کر اظہار کیا گیا ہے۔

وزرائے خارجہ نے اس قانون کے بارے میں ایک مشترکہ بیان جاری کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ وہ اس قانون کے شدید امتیازی کردار نے فلسطینیوں کے خلاف استعمال ہونے سے تشویش بڑھی ہے جو جمہوری اصولوں کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ اس سے مجموعی اقدار سے وابستگی کے اظہار اور انسانی حقوق کے سلب کیے جانے کے امکانات بڑھے ہیں۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے صریحاً ہی اس قانون کے پیش کیے جانے پر قرار دیا تھا کہ ''موت کی سزا'' کے اس قانون سے اسرائیل نے نسل پرست کردار میں خود کو مزید کھل کر پیش کیا ہے۔

ہیومن رائٹس واچ نے بھی اسے ابتدائی طور پر اپنی رپورٹوں میں فلسطینیوں کے خلاف امتیازی اقدام قرار دیا ہے۔ اسرائیلی حکام کے موقف کو مسترد کیا گیا ہے جن کا کہنا ہے کہ موت کی سزا دینے کی وجوہات دی جانے کا قانون بالکل درست ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اسرائیل میں رہنے والوں میں امتیاز پیدا کرتا ہے۔ یہ اسرائیل کے دو مروجہ اور مبنی قانون اور نظام کی بدنظمی سے نقاب ہٹاتا ہے۔ اس کا اصل مقصد اسرائیل کے فلسطین پر ناجائز قبضے کے خلاف اٹھنے والی آوازوں کو خاموش کرنا ہے۔

ہیومن رائٹس واچ کے ڈائریکٹر برائے مشرقِ وسطیٰ نے اقوامِ متحدہ کو بتایا ہے کہ موت کی سزا کو ایک بار استعمال کرنے کی سزا کو لازمی قرار دیا گیا ہے جو ایک بار کسی کو دے دی گئی تو پھر اس کا فیصلہ واپس نہیں ہوسکتا۔ اس اعتبار سے یہ اور بھی ظالمانہ بن جاتا ہے۔ اس کے اپیل کے حق پر کڑی پابندیاں لگا کر اور 90 دنوں میں اس پر عمل درآمد کی شرط نے فلسطینیوں کی زندگی خطرات سے بھر دی ہے، خواہ اس کے خلاف کسی اپیل کے فیصلے سے قبل ہی سزا نہ دی جائے۔

اس قانون کا بل پیش کرنے والے وزراء اتحاد نے اس کے پارلیمان سے آسانی سے اور کامیابی سے پاس ہونے پر زبردست خوشی کا اظہار کیا۔ پارلیمان اور اس کی لابی میں شیمپین شراب کی بوتلیں کھول کر پی گئیں، وزراءِ اعظم بنجمن نیتن یاہو نے اس بارے

میں کہا کہ جب کردہ اپنے چیمبر میں موجود تھے اور انہوں نے پارلیمان کے ارکان کو مبارک باد دی۔

صحافیوں نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ ایسے قانون کی منظوری پر بہ ظاہر ارکان کو مبارک باد دینے والے وزیرِ اعظم بنجمن نیتن یاہو اپنے چیمبر میں بیٹھے رہے جو بہت انوکھی بات ہے۔ ان کا کوئی بیان سوائے مبارک باد کے سامنے نہیں آیا۔ کیا وہ واقعی اپنے چیمبر میں موجود تھے؟ کیا وہ ایران کے سزائے موت کے حملے میں مارے گئے ہیں؟ فوج کے مورال کو برقرار رکھنے کے لیے ان کی تمام بنیادیں اور سرگرمیاں بیان کی جارہی ہیں۔

قانون صریحاً غلطی اور اسرائیلی بہت سے حلقے اسرائیل کے اندر اور باہر یہ سوال بار بار اٹھا رہے ہیں کہ فوجی عدالتوں میں صرف فلسطینیوں کے مقدمات ان حالات میں پیش کیے جارہے ہیں کہ وہ قابض انتظامیہ کے قبضے میں ان عدالتوں میں لڑے جائیں گے۔

اس قانون کا زیادہ تر اطلاق صرف مغربی کنارے کے لیے کسی بھی فلسطینی پر ہوگا جس پر یہ الزام ہو کہ اس نے ریاست کے خلاف دہشت گردی کا ارتکاب کیا ہے، کسی کو قتل کیا ہے، سیکیورٹی ارکان کو نشانہ بنایا ہے، اسرائیلی قبضے کے خلاف مزاحمت کی ہے وغیرہ۔

عدالت سے سزا پانے والوں کی تعداد بھی ظاہر نہیں کی جائے گی۔ ادارہ کے عدالتی نظام میں یہ قانون بھی ہے کہ سزا پانے والوں کی تعداد کو ظاہر نہ کیا جائے، اب یہ قدغن لگا دی گئی ہے کہ وہ ملٹری ٹرائل کے ان افراد کی تعداد ظاہر نہیں کی جائے گی جن کو اس قانون کے تحت پھانسی دی جائے گی۔ اب تک مغربی کنارے کے جو افراد ملٹری کے قانون کے تحت فیصلے دیے گئے ان میں سے 99.74 فیصد عدالتوں میں سزائیں دی گئی تھیں۔

اسرائیلی آبادکار (Settlers) یہودیوں کا معاملہ اس قانون سے الگ رکھا گیا ہے۔ لندن ریویو سے نگار ڈین کے مطابق مروجہ تازہ قانون کے تحت جن مقدمات کی سماعت جاری ہے اور کسی کو ابھی پھانسی نہیں دی گئی ہے۔

اس قانون کے تحت ان اسرائیلی شہریوں کے ساتھ بھی نرمی کا سلوک کیا جائے گا۔ اگر کوئی اسرائیلی کسی فلسطینی کو قتل کرے گا تو اسے موت کی سزا نہیں دی جائے گی بلکہ یہ جج کا اختیار ہوگا کہ ایسے اسرائیلی کو عمر قید کی سزا دے۔

فلسطینیوں کے خلاف سماعت کرنے والی عدالتوں کے خلاف دیے گئے فیصلے حتمی قرار پائیں گے۔ انہیں عمر قید نہیں دی جائے گی۔ وہ سزائے موت کے مستوجب ہوں گے۔

اسرائیل میں حقوق کا مطالعہ کرنے والے ایک گروپ یش دین (Yesh Din) کے مطابق یہودی آبادکاروں کے خلاف مقدمات عام سول عدالتوں میں بھیجے جائیں گے۔ ان کو سزائے موت نہیں دی جائے گی۔ وہ مغربی کنارے میں مربوط و منظم طریقے سے بستے ہیں جہاں کسی بھی فلسطینی کو قتل کر دیں۔ ان کا مقدمہ فوجی عدالت میں چلے گا۔ جبکہ اگر کوئی مشرقی بیت المقدس کا کوئی بھی فلسطینی کسی اسرائیلی کو موت کے گھاٹ اتار دے، اس کا مقدمہ فوجی عدالت میں چلے گا اور اسے موت کی سزا دی جائے گی۔ 2024 اور 2025 کے دو سالوں میں آبادکار یہودیوں کے خلاف مقدمات میں سے 93.8 فیصد بری کر دیے گئے تھے۔

ماضی کی کہانی: اسرائیل کے 2018 کے نیشن اسٹیٹ لاء کے مطابق اسرائیل کو پہلے ہی نسل پرست قرار دے دیا گیا تھا، جس کے بعد یہ کہا جاتا تھا کہ اسرائیل لازمی طور پر ایک یہودی ریاست ہے۔ اس میں یہودیوں کو کہیں سے بھی لا کر آباد کرنا ایک قومی مقصد ہے۔ نقادوں کا کہنا ہے کہ اس طرح کسی بھی فلسطینی کی شہریت کا درجہ خود بخود کم ہو گیا۔ بقایا جواب بھی دوسرے درجے کے شہری ہیں۔ اس وقت اسرائیل کے اندر وہ کل آبادی کے 20 فیصد ہیں۔ ان کو برابری کا درجہ حاصل نہیں ہے۔

اپنی پوری کوششوں کے باوجود وزیرِ اعظم بنجمن نیتن یاہو اور وزیرِ خزانہ بیزلیل سموٹریچ مغربی کنارے کو اسرائیل میں ضم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ ان کو فوج کی مکمل حمایت بھی میسر رہی ہے۔

اسرائیل کے ڈیموکریٹ انسٹی ٹیوٹ کے سزائے موت اور جمہوری ریاست کے سینئر فیلو ایمی کانی کرمین کے مطابق بین الاقوامی قانون کے تحت ایسا ممکن نہیں ہو سکے گا کہ مغربی کنارے کو اسرائیل کا حصہ قرار دے دیا جائے۔ اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 2022 میں بھاری اکثریت سے قرار دیا تھا کہ مغربی کنارے اور مقبوضہ مشرقی بیت المقدس (جسے اسرائیل مشرقی یروشلم کہتا ہے) سے اسرائیل کا قبضہ ایک سال میں ختم کیا جائے۔ اس قرارداد نے ایک مشاورتی رائے کی بھی حمایت کی تھی جس کے تحت اسرائیل کے قبضے کو غیر قانونی قرار دیا گیا تھا۔ یہ مشاورتی رائے انٹرنیشنل کورٹ برائے جسٹس نے دی تھی۔

اسی طرح سے اسرائیل میں ایسوسی ایشن آف سول رائٹس نے اعلان کیا تھا کہ وہ اس معاملے پر پہلے ہی سے اسرائیل کی ہائی کورٹ سے رجوع کر چکی ہے۔ اس ایسوسی ایشن نے بھی اسرائیل کے اقدامات کو امتیازی قرار دیا تھا۔ اس کے تحت اسرائیل کو یہ حق ہی حاصل نہیں ہے کہ وہ مغربی کنارے کے بارے میں کوئی بھی قانون بنا سکے۔ اس طرح اسرائیل کا موجودہ قانون بھی مغربی کنارے پر نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے تحت کسی ایسے فلسطینی کو جو سزائے موت نہیں دی جا سکتی جس کا تعلق مغربی کنارے سے ہو۔ بجز اسرائیلی شہری کو یہ سزا دی جا سکتی ہے۔

ہیومن رائٹس واچ اور ایمنسٹی انٹرنیشنل سمیت حقوقِ انسانی کی تنظیموں نے ہمیشہ ایک بات دنیا کے سامنے رکھی ہے کہ فلسطینیوں اور آبادکار یہودیوں پر قوانین کا اطلاق کرتے ہوئے برابری کا خیال نہیں رکھا جاتا۔

فلسطینی موجودہ قانون کے تحت زندگی گزار رہے ہیں جبکہ آبادکار یہودیوں پر سول قانون نافذ کیا جاتا ہے، اس طرح دو متوازی نوعیت کے نظام ہائے قانون نافذ کیے جاتے ہیں۔ حقوقِ انسانی کے گروپوں کا کہنا ہے کہ ان دو متوازی نظاموں میں فلسطینیوں سے امتیازی سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ مارچ 2022 کے موجودہ قانون کی منظوری کے وقت اسرائیل کی جیلوں اور نظر بندی کیمپوں میں سخت تشدد کے حالات سے نو ہزار آٹھ سو فلسطینی گزر رہے تھے۔ ان میں سے نصف تعداد کو "نظر بندی" کے عارضی قانون کے تحت گرفتار کیا گیا تھا۔

ان قوانین میں زیرِ حراست بچوں کا معاملہ بہت سنگین ہے۔ اس بارے میں بہت سے بین الاقوامی مبصرین اور انسانی حقوق کے گروہ اپنے شدید تحفظات اور تشویش کا اظہار کر چکے ہیں۔ ان بچوں سے ان کے والدین کی عدم موجودگی میں تفتیش کی جاتی ہے۔ ان کو اکثر معاملات میں قانونی امداد بھی لینے نہیں دی جاتی۔ یہ خود اسرائیل کے اپنے قوانین کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔

یہ سارے اقدامات سیاسی ہیں۔ ان میں قانون کا استعمال کبھی شدید سیاسی مقاصد اور عدالت میں کیا جاتا ہے۔ اسرائیل کی قابض انتظامیہ اس خوف میں مبتلا ہے کہ اگر ایسے قوانین کا نشانہ نہ بنایا گیا تو فلسطینی اپنی آزادی اور دیگر حقوق کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

تجزیہ: مرزا محمد الیاس

اہل غزہ سے غداری کس نے اور کیوں کی؟

امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے حال ہی میں ایک بیان دیا ہے جس کی ہر مسلم لیڈر ان کے بیان کی حمایت میں ایک دوسرے سے بازی لے جاتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ صدر ٹرمپ نے واشنگٹن میں جو پلان دیا تھا۔ انہوں نے نیویارک جا کر خود ہی اس پلان کی نفی کر دی۔ یہ ایک طرح کا حیران کن رویہ ہے جو وہ اہل غزہ کے ساتھ بالخصوص اور مسلم دنیا سے بالعموم روا رکھے ہوئے ہیں۔

ان کے الفاظ ان کے اصل پلان سے جس طرح مختلف نظر آتے ہیں اور جس انداز سے اس بارے میں تمام کام کر رہے ہیں، اسے سادہ الفاظ میں ''غداری'' قرار دیا جا سکتا ہے۔

جس انداز سے وہ عمل کر رہے ہیں، اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ غزہ میں نسل کشی (Genocide) مسلسل اور شدت سے کی جا رہی ہے۔ اس نسل کشی کے بارے میں ٹرمپ کے بیانات وزیراعظم اسرائیل کو مسلسل پیغام دے رہے ہیں کہ ''شاباش جاری رکھو۔''

قطر میں ٹرمپ کے رویے پر شدید غم و غصہ پیدا ہو رہا ہے۔ اس سے قطر کا ثالثی کا کردار ختم ہو کر رہ گیا ہے۔ ٹرمپ نسل کشی کے بارے میں اپنے بیانات سے پیچھے ہٹنے پر ہرگز تیار نہیں ہے۔ بلکہ وہ فلسطینیوں کے لیے ہمدردی کے کوئی جذبات نہیں رکھتے۔ انہوں نے اسرائیل میں فلسطینیوں کو مارے جانے کے قانون کو اس طرح چلایا ہے گویا یہ اسرائیل کا داخلی فیصلہ ہے اور اس بات پر کسی کا کوئی حق نہیں دیا جا سکتا۔

معر کے اندر بھی مجوزہ پلان پر عمل درآمد میں رکاوٹ اور الشفاء پر عوامی سطح پر نفرت کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ یہ دو نکات اسرائیل کے اقدامات کی شدید مذمت کر رہا ہے۔ ان میں پہلا نکتہ فلسطینی اتھارٹی کے کردار میں مسلسل کمی لانا ہے۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ غزہ میں اسرائیلی افواج مسلسل موجود رہیں گی۔ اس کا تیسرا مطلب یہ ہے کہ غزہ کی ناکہ بندی سخت سے سخت ہوتی جا رہی ہے جس سے غزہ میں بھوک اور قحط کی صورت حال سنگین تر ہو رہی ہے۔

صدر ٹرمپ کے پلان کی حمایت کرنے والے عرب اور مسلم حکمران دن بدن غزہ سے دور اور پلان سے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔ کسی مسلم ملک نے اب تک یہ نہیں کہا کہ وہ موجودہ صورت حال میں پلان پر عمل درآمد میں رکاوٹ اور نئے متبادل اقدامات کی مخالفت یا مذمت کرتا ہے۔

اس خطے کے آٹھ ممالک اس پلان میں ضامن کے طور پر شامل ہوئے تھے، اس پر دستخط کیے تھے۔ اب کسی نے اس پلان سے الگ ہونے یا اس کی بے عملی کی مخالفت کرنے کی جرات بھی نہیں کی۔ اس وقت جب غزہ کی پوری تاریخ کے علی الرغم فوجی اعتبار سے اسرائیلی فوج جہاں اور جیسے چاہے، نسل کشی کر رہی ہے اور ناکہ بندی سخت ہوتی جا رہی ہے۔

اب یہ بات سامنے آئی ہے کہ نام نہاد جنگ بندی کے اعلان کے باوجود فلسطینیوں کو کہیں سے بھی امید کی کوئی کرن نظر نہیں آ رہی ہے۔ اب فلسطین پر قبضہ اور غزہ کی ناکہ بندی نئے نئے طریقوں سے ہو رہی ہے۔

انسانی تاریخ کا یہ موڑ بہت عجیب ہے کہ ساری دنیا اسرائیل کے اقدامات اور قبضے کے

خلاف ہے، اس کے برعکس ایسے امریکی پلان کی منظوری دی گئی جس میں ایک واضح اور قابل عمل فلسطینی ریاست کے قیام کا ذکر ہی نہیں۔ یہاں تک کسی ملک نے جرات نہیں دکھائی کہ وہ یہ کہے کہ غزہ میں ''انروا'' (UNRWA) اور دیگر عالمی تنظیمات کو دوبارہ کام کرنے کی اجازت دی جائے۔ ان تمام اداروں کے کام کو چاپلوسی یا ہتھکنڈوں میں دے دی گئی ہے جو کبھی اپنے سچ کا ڈرامہ کامیابی سے رچاتا ہے اور پھر کچھ دنوں بعد زندہ ہو کر دنیا کے سامنے آجاتا ہے۔

کوئی ایجنسی نہیں ہے: اس امر کا کوئی ثبوت ہی نہیں ہے کہ غزہ میں نسلی صفائی اور نسل کشی میں ایک دن کا وقفہ بھی آرہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امریکی پلان اسرائیل فوج کے غزہ سے مکمل انخلاء کی بات ہی نہیں کرتا۔ یہ اختیار نیتن یاہو کو دیا گیا ہے کہ غزہ کتنا اور کہاں سے علاقہ خالی کرنا اور اسے بین الاقوامی استحکام فورس کے حوالے کرنا ہے۔ یہ فورس خود سے کوئی حصہ خالی نہیں کرا سکتی۔ جہاں اسرائیلی فوج داخل ہو جائے اسے وہاں سے نکالا بھی نہیں جا سکتا۔

مبینہ طور پر یہ اختیار بھی دیا گیا ہے کہ غزہ کی تعمیر نو کے لیے کون کتنا اور کہاں سے تعمیراتی میٹریل داخل ہو سکتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ پلان یہ طے نہیں کرتا کہ اسرائیل نے کب اور کون سا حصہ خالی کرنا ہے۔

یہ پلان اس حوالے سے بھی بہت سخت حالات غزہ کے لیے پیدا کرتا ہے کہ غزہ دوبارہ غزہ بنے گا، فلسطینی عبادت میں دوبارہ زندگی کی طرف لوٹنے کا حق کب ملے گا؟

اس پلان نے ایک کام اور کیا ہے۔ وہ یہ کہ مغربی کنارے اور غزہ کے درمیان رابطہ اور تعلق بالکل ختم کر دیا گیا ہے۔ اب کوئی معجزہ ہی فلسطین کے ان دو حصوں کو ایک کر سکے گا۔ فلسطینی اتھارٹی سے ہر قسم کے ہتھیار واپس لیے جا چکے ہیں۔ ایک مشترکہ پریس کانفرنس میں نیتن یاہو کا بیان ہے کہ بین الاقوامی عدالت برائے انسداد جرائم (آئی سی سی) سے اسرائیل کے خلاف تمام مقدمات واپس لے لیے گئے۔ اسی طرح سے بین الاقوامی عدالت برائے انصاف (آئی سی جے) سے بھی ہر طرح کے مقدمات واپس لے لیے گئے۔ اس طرح نیتن یاہو اور اس کے وزراء کے خلاف انہیں نسل کشی کے مرتکب ملزمان کے بارے میں فیصلہ واپس لینا ہوں گے۔ دوسرا کام یہ ہوگا کہ فلسطین کے شہداء کے ہرجانے کے دعوے یا ہرجانہ ختم ہوں گے۔ تیسرا کام اتھارٹی یہ کرے گی کہ اسرائیل کی رضامندی کے تحت مغربی کنارے کے سکولوں کا نصاب تبدیل کر دیا جائے گا۔

میڈیا میں اسرائیل کی مذمت اور عدالت کی درست تصویر پیش نہیں کی جائے گی، آئندہ سے میڈیا وہی دکھائے گا جس کی منظوری اسرائیل سے پہلے ہی لی جائے گی۔

اس پلان میں ایسی ترمیم یا اس پلان پر عمل درآمد کے طریقوں پر ضامن ملکوں ترکی، قطر، سعودی عرب، امارات، مصر، انڈونیشیا اور پاکستان نے فلسطینیوں سے مشورہ تک نہیں کیا اور نہ ہی اس کی مخالفت کی ہے۔ مذمت تو بہت بڑی بات ہوگی۔

عرب متبادل پلان: عرب ممالک کا متبادل پلان برائے غزہ کہاں ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ یہ کہیں نہیں ہے۔ ایسا کوئی پلان موجود تھا جسے ٹرمپ پلان میں یہ کہہ کر غائب کر دیا گیا ہے کہ اس پلان پر اتفاق رائے ہے یا نہیں۔ اسرائیلی یرغمالیوں کی واپسی کی تاریخ درج کی گئی تھی۔ اس کے باوجود حماس نے راستوں کو کھولنے کے لیے تمام سیاسی دھڑے پہلے رہا کر دیے، اسرائیل نے اس بنا پر بہت سے مسائل کھڑے کیے۔ عرب ممالک کو یہ اختیار ہی نہیں تھا کہ وہ جنگ بندی سے عہد کیا ہوگا اور کس ٹائم فریم میں ہوگا۔ اس میں اسرائیل کی افواج طے کر کے نکالا جائے گا۔ کوئی ''ییلو لائن'' (Yellow Line) ہوگی یا کہاں سے ہوگی۔ اسرائیل کو پامال کرے گا تو کیا اقدامات کرنا ہوں گے۔

اب پلان کی ضامن قوموں میں یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ حماس کو غیر مسلح کرے، ان کے پاس یا قبضے میں جو سینکڑوں ہتھیار واپس لیے جائیں، اس کے ڈرون اور راکٹ بھی لیے جائیں تاکہ جب کبھی میدانِ جنگ بنے تو اس کے پاس کچھ نہ ہو۔ حماس یہ سب کرے گی تو اس کے پاس شرمندگی کے سوا کچھ نہیں آسکے گا۔

مبینہ پلان میں شامل کیا ہے کہ اس میں کس کا کیا کردار ہوگا اور کیا کر سکے گا۔ کن علاقوں سے اسرائیلی افواج واپس جائیں گی۔ کیا ان افواج کی واپسی آئی پی پی کے جس معاہدہ غزہ کی ناکہ بندی کے حق سے مرحوم ہو جائے؟ اب کچھ بھی ان ضامنوں نے نہیں سوچا اور نہ کیا۔

ہر معاہدہ پر اسرائیل کا کنٹرول سخت سے سخت ہوتا گیا۔ تمام مسلم اور عرب اقوام تماشائی سے زیادہ کردار ادا نہ کر سکیں۔ پلان سے اسرائیل کے وعدے کمزور پڑتے گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جس پلان کی منظوری دی گئی تھی اور جو اعلانات وائٹ ہاؤس سے کر رہا

تھا ان میں واضح فرق تھا۔

لیکن ان میں سے اہم ترین یہ تھے: اسرائیل کی طرف اسے حمایت کی جائے گی۔ وہ غزہ میں کس نوعیت کا سامان لانے کی اجازت دیتا ہے یا نہیں، یہ اس کا حق ہوگا۔ غزہ سے افواج کے انخلاء میں اسرائیل کو خود یہ اختیار دے دیا گیا کہ وہ غزہ خالی بھی کرے گی یا اپنے قبضے کو اس طرح ترتیب دے گی کہ ناکہ بندی مزید سخت ہو جائے اور کوئی اس کے خلاف مزاحمت بھی نہ کر سکے۔

اصل پلان میں یہ بات شامل تھی کہ خوراک کے 600 ٹرک روزانہ غزہ میں داخل ہوں گے۔ کسی مسلم یا عرب ملک نے جانتے ہوئے بھی یہ نوٹس نہ لیا کہ الفاظ تبدیل کر کے یہ کیوں کر دیا گیا کہ اس معاملے پر اسرائیل کو مکمل اور بھرپور غیر مشروط حقوق ہوں گے۔ غزہ میں کس نوعیت کا اور کتنا سامان داخل ہوگا، اسے اسرائیل کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا۔

اصل بیان مشترکہ طور پر عرب و مسلم رہنماؤں کے وزرائے خارجہ نے جاری کیا ان میں ترکی، قطر، امارات، سعودی عرب، اردن، مراکش، انڈونیشیا شامل تھے۔ اس ڈرامے کی طرف سے صدر ٹرمپ اور ٹونی بلیئر اور اسٹیو وٹکاف کے بھی دستخط تھے۔ یہ دستخط واشنگٹن کے بجائے جنیوا یا پیرس میں کیے گئے۔

ٹرمپ کے داماد جیرڈ کشنر اور اسٹیو وٹکاف نے تبدیل شدہ پلان لے کر نیتن یاہو کے پاس لے گئے۔ انہوں نے اس رپورٹ میں کچھ تبدیلی تجاویز کیں، پلان میں تبدیلیاں کی گئیں۔ نیتن یاہو اور اسرائیل نے ان تبدیلیوں کو ''ایڈیٹنگ'' (Editing) قرار دے دیا۔

قطری حکام نے اس ''ایڈیٹنگ'' پر شدید تحفظات ظاہر کیے۔ اور اس کو درست کیے بغیر ٹرمپ سے کہا کہ وہ اس ترمیم شدہ پلان کا اعلان نہ کریں۔ قطر کے اعتراضات مسترد کر دیے گئے۔ تاہم قطری حکام نے اس پر کسی حیرت کا بھی اظہار نہ کیا کہ ایک غزہ کے ساتھ مل کر پورا پلان ہی تبدیل کر دیا گیا۔ ان تبدیلیوں کو ''ایڈیٹنگ'' کا نام دے دیا گیا۔ اس طرح ٹرمپ اور وٹکاف نے سارا پلان ہی تبدیل کر دیا۔ حالیہ واقعات دیکھیں تو صدر ٹرمپ کی نگرانی میں وٹکاف، کشنر، ہکابی نے اصل مسودوں کو منظوری کے بغیر تبدیل کر دیا اور جس معاملے میں وہ شامل تھے وہ ناکام ہوگیا۔ پاکستان میں ہونے والے مذاکرات میں بھی یہی کردار ناکامی کی داستان لکھنے والے ثابت ہوئے۔ یہ کردار ایسے ہیں جو معاہدوں کو پامال کرنے اور موقف تبدیل کرنے کے ذمہ دار کہلاتے ہیں۔ ان کو حقیقت میں امن دشمن قرار دیا جانا چاہیے۔

اہم تبدیلیاں: ان تبدیلیوں کی سب سے بہترین مثال حماس کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ ہے جس میں علاقائی قوتوں (عرب اور مسلم ممالک) نے سب کچھ اسرائیل کے ہاتھوں میں دے دیا۔

نیتن یاہو نے جنگ بندی کو کسی درندے کی طرح چیر پھاڑ کے رکھ دیا۔ یہ کام کرنے والے کردار اس کے علاوہ بھی تھے۔ ایرانی وفد کے ساتھ مذاکرات میں وٹکوف نے عمان میں اسرائیلی طیاروں اور امریکہ کے B-2 بمباروں کے لیے ایران کی جوہری سائٹس پر بمباری کے مواقع فراہم کر دیے۔ یہ ایک دھوکہ تھا جس کا انتظام ٹرمپ نے کیا اور ایران پر بمباری کرنی تھی۔

ٹرمپ کا 20 نکاتی پلان درحقیقت حماس کو ختم کرنے کا منصوبہ تھا۔ یہ سراسر دھوکہ تھا۔ جس نے یہ کام کیا اس کا سارا سفر گناہ کی سرحد کو بالکل چھو رہا تھا۔ یہ بندش فلاڈلفیا پلان کا ڈیزائن تک وسیع کر دی گئی۔ یہ کوریڈور غزہ کو صحرائے سینا سے الگ کرتی ہے۔ اسرائیل کو اس سارے خطے کا کنٹرول سنبھالنے میں تحفظات تھے۔ وہ دونوں کا کنٹرول اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا وہ بہ ظاہر ایسا تاثر دے رہا تھا۔ قطر نے سرے سے ثالث کے کردار میں سامنے آنا چاہا لیکن اس کی پوزیشن نہایت درجے میں شکوک وشبہات میں گھری تھی۔ اس کی وجہ اسرائیل تھا جو کسی کی ثالثی کے لیے ہرگز تیار نہیں تھا۔

جب دوطرفہ مذاکرات جاری تھے اسرائیل نے حملہ کر دیا۔ جس وجہ سے بہت کمزور سی معذرت کر دی۔ وہ حماس کے وفد پر حملہ کرنے پر معذرت نہیں کر رہا تھا۔ وہ دوطرفہ حملے کرنے پر معذرت کر رہا تھا۔ اس کے بجائے نیتن یاہو کو ایک ایسا معاہدہ مل گیا جس میں غزہ سے اپنی فوج سے نکالنے کا مکمل کنٹرول دے دیا تھا اسے یہ موقع بھی مل گیا کہ وہ اپنے یرغمالیوں کی رہائی کے بعد فوجی ہتھیاروں کے معاملے کو دیکھے۔

حماس کے لیے انتہائی اہم امور میں اسرائیلی فوج کا مکمل طور پر غزہ خالی کرنا اور یرغمالیوں کی رہائی سے پہلے جنگ مکمل طور پر بند کرنا تھا۔ ٹرمپ کو اس بات سے بہت غرض تھی کہ وہ ان مواضع سے بالکل غیر مسلح ہونے کے لیے ہرگز تیار نہ تھا۔ ایسے معاہدے کے پہلے اور حتمی ڈرافٹ میں ہونے والی تبدیلیوں سے سبھی نقصان اٹھانا پڑا لیکن کوئی مسلم و عرب ملک ان امور کو سننے پر تیار ہی نہ ہوا۔

پہلے ڈرافٹ میں کہا گیا تھا کہ اسرائیلی افواج جنگ کی حدود سے باہر نکالی جائیں گی۔ اس دوران جس میں امریکہ کے نمائندے وٹکاف نے یرغمالیوں کی رہائی کی شرائط طے کی تھیں۔ وٹکاف نے نئی صورتیں تجویز کی تھیں لیکن آخر تک یہ واضح نہیں کیا گیا کہ کون سی شرائط یا تجاویز حتمی تھیں۔

حتمی ڈرافٹ میں کہا گیا تھا کہ اسرائیلی افواج غزہ کے سنٹرل حصے سے باہر چلی جائیں گی۔ اس کے بعد بھی ایک نقطہ جاری کیا گیا جو اسرائیلی افواج کو مکمل کنٹرول دے رہی تھیں۔ اس طرح افواج کے ابتدائی انخلاء میں انہیں غزہ کا زیادہ تر حصہ دے دیا گیا تھا۔

ٹائمز آف اسرائیل نے رپورٹ دی تھی کہ باہمی طور پر طے شدہ نکات کے بعد غزہ کا وہ حصہ خالی کریں گے جو حماس کے قبضے میں تھا۔ اس میں بعد میں ترمیم کر دی گئی کہ اسرائیل کی قابض افواج کچھ حصوں کے مطابق غزہ خالی کریں گی۔ فوج نکالنے کے لیے اہداف مقرر کیے جائیں گے۔ ٹائم فریم دیا جائے گا جس کا تعلق کسی ملٹری اسٹریٹجی سے ہوگا۔ اس کا مقصد قابض فوج، استحکام فورس، ضامن ممالک اور امریکہ کریں گے۔

کوئی وجہ نہیں تھی کہ اس صورت حال کو مسکرانے کا پورا موقع فراہم کر دیا تھا۔ اسی لیے اس نے اسرائیلی ٹی وی پر آ کر اپنی قوم کو بتایا تھا کہ ''اس پر کون اعتبار کرے گا؟ سب لوگ مستقل کہہ رہے ہیں کہ تمہیں حماس کی ساری شرائط مانتے ہوئے ہر ایک کو غزہ سے نکالنا ہوگا۔ اسرائیلی فوج کو غزہ سے نکلنا چاہیے، حماس اس کی جگہ لے سکتی ہے۔ وہ غزہ کو دوبارہ ایک نظام کے تحت لا سکتی ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کسی بھی طرح نہیں۔''

پھر نیتن یاہو سے سوال کیا گیا کہ کیا وہ ایک آزاد فلسطینی ریاست پر متفق ہیں؟ اس کا جواب تھا ''بالکل اور کبھی نہیں۔ ایسا کہنا غلط ہوگا۔ ہم نے سختی سے فلسطینی ریاست کی مخالفت کی ہے، صدر ٹرمپ نے بھی یہی کہا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ وہ اس بات کو سمجھتے ہیں، وہ بالکل درست کہہ رہے ہیں۔''

آخری 20 نکات کا سادہ مقصد یہ ہے: کہ امریکہ اور فلسطینی دونوں ایک سیاسی منظر نامے پر متفق ہوں گے جو دونوں کے درمیان ایک مکالمے کو شروع کریں گے تاکہ بقائے باہمی کے اصول کے طور پر دونوں اسرائیل میں رہ سکیں۔

معاہدے کے آرٹیکل 19 میں بہت واضح طور پر کہا گیا ہے کہ ایک ریاست بنائی جائے گی۔ یہ آرٹیکل استصوابِ رائے کے حق کو تسلیم کرتا ہے اور ریاستی حیثیت فلسطینی عوام کی خواہشات کے تحت بنے گی۔ یہ نوٹ کیا جائے کہ ایسا کرنا ان کا حق نہیں ہوگا بلکہ اس کے باوجود خواہشات کا احترام غزہ کے عوض ہو سکے گی۔ اقدامات مشروط ہوں گے، ایسے غزہ اور فلسطینی اتھارٹی مل کر کریں گے۔

اسرائیل ان دونوں کے درمیان معاملات طے کرے گا۔ اس کے بعد کشنر اور اسٹیو وٹکاف کا کردار ختم ہو جائے گا مگر وہ اس آرٹیکل کو دوبارہ دیکھیں، اس موقع پر بھی عرب اور مسلم حکومتوں نے فلسطینی معاملات پر اپنے خودمختاری کی اور اتھارٹی نے نیتن یاہو کے کہنے کے مطابق آگے بڑھانے کو ہی اہمیت دی۔

چونکہ اس منصوبے میں استصوابِ رائے اور فلسطینیوں کے ناقابلِ تنسیخ حق یعنی آزاد فلسطین کے لیے ایک لفظ بھی نہیں کہا گیا اس لیے ٹرمپ نے اپنے کسی حق پر جو گونگے اور بہرے ہونے کا کردار ادا کیا، ضامن سبھی خاموش رہے۔ ٹرمپ نے کہا کہ فلسطینی تو غداری کا عمل مکمل کر لیتے ہیں۔

غداری کا عمل مکمل: ٹرمپ نے اپنی پریس کانفرنس میں بات کرتے ہوئے اس جانب زیادہ توجہ دی اور بات کی کہ انہوں نے کس طرح سے علاقائی آراء اور تجاویز سے انحراف کیا۔ وہ کس طرح سے اپنے پہلے عہدِ صدارت میں بیت المقدس کو اسرائیل کا دارالحکومت بنانے کا اعلان کسی شرم و دہشت کے بغیر کر چکے تھے، انہوں نے گولان کی پہاڑیوں کے علاقے کو اسرائیل میں ضم کرنے کی بھی بات کی تھی۔

''اور کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ سب دیکھ کر حیران کر دینے والا تھا۔ ہر کوئی یہ سوچنے لگا تھا کہ اب جنگ ختم ہو جائے گی۔ یہ دنیا ختم ہو جائے گی۔ اس لیے سب نے کہا کہ اس سب کا کچھ نتیجہ نہیں نکلے گا۔''

دو سال کی نسل کشی کے بعد بالآخر ایک مجوزہ حل کی جانب رجوع کرنا پڑا جس نے حالات کو 17 اکتوبر 2023 کے مقابلے میں زیادہ خراب کر دیے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ وہ اسرائیلی عربوں کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ وہ اسرائیل کے عرب ہمسایوں کے بارے میں بس توہین آمیز جذبات رکھتے ہیں۔ وہ غزہ کی تاریخ اس انداز میں بیان کرتے ہیں جس سے حقائق مسخ ہو جائیں۔ وہ اس تاریخ کے بارے میں کچھ بھی درست جانتے ہی نہ تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ بات کہاں سے شروع ہوتی ہے اور کس طرح کرنی ہے۔

ٹرمپ کے مطابق 2005 میں ایریل شیرون نے پر امن طریقے سے اپنی افواج نکال لی تھیں۔ یہ غزہ کی ملکیت سمندر تھا۔ اور یہ کہا گیا کہ اب ہم سب امن چاہتے ہیں۔ وہ فلسطینیوں کی زندگی بہتر بنانا چاہتے تھے۔ حماس نے اپنی پوری توجہ 400 کلومیٹر کے علاقے میں سرنگیں بنانے میں صرف کر دی تھی۔ اسے دہشت گردی قرار دیا گیا ان سرنگوں میں راکٹ بنانے، فوجی کمان اینڈ کنٹرول قائم کرنے اور ہسپتال بنانے پر توجہ دی گئی، سکول اور مساجد کو حجرہ بنایا۔

جب حماس نے 2006ء میں انتخابات میں کامیابی حاصل کی، ٹرمپ کے علم میں یہ بات آئی گئی کہ فلسطینی اتھارٹی کی عمل داری غزہ سے ختم ہو گئی تھی۔ محمود عباس کا اقتدار ختم ہو گیا تھا۔ الفتح نے اسرائیل کے تعاون سے اقتدار لینا چاہا تو ناکامی کا اسے منہ دیکھنا پڑا، محمود عباس حماس کے خلاف بغاوت نہ کر سکے، پھر غزہ کا 17 سالہ ظالمانہ محاصرہ اور ناکہ بندی کا آغاز کر دیا گیا۔

ٹرمپ نے دو سالہ جنگ میں ہسپتالوں کی اسرائیل کی طرف سے بمباری کی حمایت کی، سکول اور مساجد تباہ کر دی گئیں، یہ جنگی جرائم تھے اور نسل کشی کے عمل کا حصہ تھے، لیکن وہ تو نسل پرستی کی خراب تر صورت حال تھی۔

ٹونی بلیئر کی ناکامی: جب ایریل شیرون کی آخری رسومات میں شرکت کے لیے ٹونی بلیئر آئے تو انہوں نے اپنے خطاب میں کہا تھا کہ شیرون کے ٹینکوں نے بندوق برداروں کو موقع دیا کہ وہ صابرہ اور شتیلا میں فلسطینیوں کا بے دریغ قتل عام کریں، یہ لبنان میں فلسطینیوں کا قتل عام تھا۔ پھر غزہ میں وہی منظر دہرایا گیا۔

حماس کو رام اللہ میں قومی اتحاد کی حکومت کے قیام سے کسی نے اس طرح سے نہیں روکا جس طرح بلیئر نے اس عمل کو روکا تھا۔ بلیئر نے غزہ کے خاتمے کے لیے اپنی ہر ممکن کوشش اور مناسب راستہ تھا۔

ٹونی بلیئر 2005 کے الیکشن سے پہلے مشرقِ وسطیٰ میں امریکہ کے خصوصی نمائندے مقرر کیے گئے تھے۔ بلیئر امریکی صدر کے حامی تھے اور ان دونوں نے مل کر 2006 کے انتخابات کے نتائج کو مسترد کر دیا تھا جس میں حماس نے شفاف طریقے سے انتخابات جیتے تھے۔ ان دونوں نے حماس کی کامیابی کی مخالفت کی اور ان دونوں نے غزہ کی ناکہ بندی کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔ پھر چار فریقی مذاکرات میں حماس کو بے دخل کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔

اب ٹونی بلیئر لارڈ آف ہیلس کے رکن بن کر حیران کن دھماکے میں 2010 میں جب مشرق وسطیٰ کے نمائندے کے طور پر ان کی مدتِ ملازمت ختم ہوئی، اسرائیلی مؤرخ الی پوی شتہلیم نے لکھا: ''فلسطینیوں کی آزادی کے مقدمے میں عالمی بلیئر کا کردار برقرار رہا ہے۔ اس بات نے ان کو اسرائیل کی آنکھ کا تارا بنا دیا۔''

گزشتہ سال غزہ میں فلسطینی غزہ میں اپنے پیاروں کی نسل کشی پر گرفتار تھے، ٹونی بلیئر تل ابیب یونیورسٹی میں ڈان ڈیوڈ کا ایوارڈ وصول کر رہے تھے، انہیں موجودہ وقت کا ساحر قرار دیا جا رہا تھا جو انہیں ''عظیم راہنما'' قرار دینے کا اقدام کر رہا تھا۔

ان کے اعزاز میں اس تقریب میں وہ راہ نما جسے قرار دیا گیا کہ غیر معمولی ذہانت اور دوراندیش ہو۔ جس نے اخلاقی میراث اور لیڈر شپ ظاہر کی ہو۔ اس ایوارڈ کے ساتھ انہیں دس لاکھ ڈالر دیے گئے۔ جبکہ فنڈ میں ترمیم تھی۔ اس ایوارڈ کو اسرائیل کے لیے معافی کا حامل قرار دیا گیا۔ انہیں اسرائیل کے فلسطینیوں کے خلاف جرائم میں برابر کا کردار قرار دیا گیا۔

یہ الفاظ آج کے بلیئر کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں۔ ''صرف فلسطینی! حماس کے پاس آپشنز بہت کم ہیں۔ ان کے سامنے جس نوعیت کی ڈیل رکھی جا رہی ہے، وہ اسے کبھی قبول نہیں کر سکتے۔ اس سے اچھی ڈیل تو حزب اللہ کے سامنے رکھی گئی تھی۔ اس کی بھی روزمرہ بنیادوں پر اسرائیل خلاف ورزی کرتا ہے اور لبنان میں اس پر حملے کرتا ہے۔''

آج سعودی عرب، امارات، اردن اور مصر کے پاس حماس اور غزہ کو دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ ان کے پاس حماس کو سرپرائز دینے کے لیے بھی کوئی شے، کوئی

خصوصی رپورٹ: ابوالعین

فلسطینی نسل کشی۔ سب ہاتھوں نے پہن رکھے ہیں دستانے

یونان کے بحری جہاز اسرائیل کو اپنی شناخت چھپا کر اسلحہ پہنچاتے ہیں۔ وہ ایسے سگنلز بھی دیتے ہیں جن سے ان کی منزل کے بارے میں دھوکہ دیا جاتا ہے۔ یہ اسلحہ ترکی کے راستہ سے اسرائیل لے جایا جاتا ہے۔ یہ کام تیل، کوئلہ اور فوجی سامان لے کر کارگو جہاز اسرائیل جاتے ہیں۔ ایک خبری ذریعہ (No Harbour for Genocide) کے مطابق کم از کم 57 جہازوں سے یہ کارگو اسرائیل لے جایا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ مئی 2024ء سے جاری ہے اور آخری اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دسمبر 2025ء میں بھی جاری رہا ہے۔

اس طرح سے کم از کم 4 کروڑ 70 لاکھ بیرل خام تیل ترکیہ کے راستے اسرائیل لے جایا گیا، اس دوران میں ٹریکنگ سگنلز بند رکھے گئے تاکہ اس طرح جانے والے جہازوں کی منزل آسانی سے معلوم نہ کی جا سکے۔ یہ بحری ذریعہ خفیہ اور بالواسطہ طریقوں سے فوجی سامان لے جاتے رہے ہیں۔ ترکیہ نے اس قسم کی تجارت پر پابندی لگا رکھی ہے لیکن یہ کام کیا جاتا رہا۔ بتایا گیا ہے کہ فوجی سامان میں گولہ بارود، مشین گنیں، گنوں کے مختلف آلات لے جائے جاتے رہے جنہیں Albit Systems کمپنی مکمل فوجی سامان تیار کرنے کے لیے استعمال کرتی رہی ہے۔ یہ اسرائیل کی سب سے بڑی اسلحہ ساز کمپنی ہے۔

اکتوبر 2023ء سے فروری 2026ء تک 8 خفیہ مرتبہ 751,000 ٹن فوجی سامان اسرائیل گیا جو بعد میں اسمبل ہو کر غزہ کی نسل کشی میں استعمال ہوتا رہا ہے۔ اس سامان میں جنوبی افریقہ سے بھی ایسا سامان خفیہ طور پر اسرائیل لے جایا گیا۔ اس کا علم مواصلاتی سیاروں سے لی گئی تصاویر اور میری ٹائم ٹریکنگ ڈیٹا سے ہوا۔

اس سامان کی اس طرح سے سمگلنگ میں ملوث کمپنیوں میں Kyklades میری ٹائم کارپوریشن اور Thenamaris Ships Management ملوث پائی گئی ہیں۔ یہ کمپنیاں یونان کے دو خاندانوں The Alafouzos اور Martinos Family کی ملکیت ہیں۔ بتایا گیا ہے کہ فٹ بال کلب Giannis کے ارب پتی خاندان Alafouzos نے کچھ عرصہ قبل ہی امریکی حکام سے ملاقاتیں بھی کیں۔ ان ملاقاتوں میں گلوبل انرجی سیکیورٹی اور سپلائی چین سے متعلقہ امور زیر بحث آئے۔ Maritime خاندان یونان کی شپنگ صنعت کا بڑا خاندان ہے۔ یونان کے ان جہازوں نے ترک بحیرہ احمد کی بندرگاہ Cybas سے اپنے ان سفروں کا آغاز کیا۔ مصر کی بندرگاہ Said کو بھی ان سرگرمیوں کے لیے استعمال کیا گیا۔

ان سرگرمیوں کے لیے ایک اتحاد قائم کیا گیا، اس اتحاد میں مندرجہ ذیل اداروں کو شامل کیا گیا:

(i) پروگریسو انٹرنیشنل
(ii) فلسطینی یوتھ موومنٹ
(iii) فلسطینی توانائی امبارگو
(iv) پیپلز امبارگو برائے فلسطین

جن بحری جہازوں کو استعمال کیا گیا، ان سے تمام نشانات اور علامتیں ختم کر دی گئی جن سے ان کی کسی بھی طرح شناخت ہو سکے۔ ان کو (اے آئی ایس) کہا جاتا ہے جو کسی بحری جہاز کے بارے میں معلوم کیا جا سکتا ہے کہ وہ کس وقت کہاں ہے اور کدھر جا رہا ہے۔

یہ جہاز رات کے اندھیرے میں گم ہو جاتے یا ان کو دیکھنا بہت مشکل ہو جاتا، جب یہ اپنا سامان آف لوڈ کر دیتے تو ان کے سگنلز بحال کر دیے جاتے۔ یونانی جہاز جنوبی افریقہ سے کوئلہ اٹھاتے اور اسرائیل لے جاتے تھے۔ وہ اپنی منزل Damitta بتاتے۔ یہ مصر کا ایک سمندر کے کنارے کا شہر ہے۔ وہ اپنے سگنلز آف کرتے اور بحیرہ قلزم میں چلے جاتے، وہاں ان کی منزل مشرق کی سمت ہوتی اور کئی ہفتوں بعد ان کا واپسی کا سفر شروع ہو جاتا۔ سمندر میں زندگی کی سلامتی کے انٹرنیشنل کنونشن پابند کرتی ہے کہ چھوٹے جہاز میں زیادہ سے زیادہ 3000 ٹن کارگو لوڈ کیا جا سکتا ہے اور سگنلز آن کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کی خلاف ورزی جرم ہے۔ تاہم چھوٹے جہاز یہ سگنلز آف کر سکتے ہیں۔

جو جہاز سگنلز آف کرتے ہیں یا اپنی شناخت ظاہر ہونے نہیں دیتے، وہ ایسا اس لیے کرتے

ہیں کہ ان پر بین الاقوامی سفر پر پابندی لگ سکتی ہے۔ یونانی ٹینکرز اپنی شناخت ظاہر نہیں کرتے تھے۔ ان کا تعلق اوپر بیان کیے گئے خاندانوں سے تھا۔ یہ ٹینکر ایک خفیہ فلیٹ کا حصہ تھے جو روس کو تیل فراہم کرتا تھا۔ ایسا یوکرائن پر روس کے حملے کے بعد اس پر لگنے والی پابندیوں کے بعد سے کیا جا رہا تھا۔ یونان اور اسرائیل کے درمیان معاشی اور فوجی تعلقات ہیں۔ یونان کے سابق وزیر خزانہ پارنس ویروفاکی نے حال ہی میں کہا ہے کہ اس کا ملک اسرائیل کا ایک سٹیلائیٹ یا بغل بچہ ہے۔

شیڈو جہاز اور BTC پائپ لائن:

غزہ پر نسل کشی کی جنگ 2023ء سے ہی مسلط چلی آ رہی تھی۔ یورپ کی منظم افراد کی قوت اور سیاسی کارکن اور دنیا بھر میں کے ہم خیال گروپ اپنے ملکوں پر دباؤ ڈال رہے تھے اور کمپنیوں کے خلاف مسلسل احتجاج کر رہے تھے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ اسرائیل کو اسلحہ یا اسلحہ کی تیاری میں استعمال ہونے والے میٹریل کو روکا جائے۔ ڈاک ورکرز (Dock Workers) اور ان کی کمیونٹیز اپنا دباؤ اپنی ملازمت کی پرواہ کیے بغیر نسل پرستی کے خاتمے کا مسلسل مطالبہ کر رہی تھیں۔ ان کی ترجمان نوہار بربرائے نسل پرستی کی اینا ساچیز نے تحریک میں اور اسے منظم کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ وہ اس بات کی وکالت کرتی رہیں کہ شپ پاورز اپنے ٹریکنگ سسٹم بند کر دیں، اپنی اپنی منزلیں چھپائیں اور سمندروں میں سفر کی راہیں پر خطر بنا دیں اور اس طرح دباؤ میں اضافہ کریں۔ ہم ایک دوسرے کو جانتے تھے اور ہمیں معلوم تھا کہ دو کمپنیاں کیا کر رہی ہیں۔ اب یہی وقت تھا کہ انہیں جواب دہ ٹھہرایا جائے۔

زوری میں عرشے کے کارکنوں نے 20 سے زیادہ بندگاہوں میں ہڑتال کر دی تا کہ اسرائیل کو سمندر کے راستے اسلحہ کی سمگلنگ روکی جائے۔ مئی 2024ء میں ترکی نے اعلان کیا کہ وہ اسرائیل کے ساتھ اپنی مساوی درآمدات اور برآمدات ختم کر رہا ہے۔ اس نے کہا کہ ایسا غزہ کی خراب ترین انسانی صورت حال کی وجہ سے کیا جا رہا ہے۔

یونان کے بحری جہاز رانی سے وابستہ ان دونوں خاندانوں نے عالمی پابندیوں کو دھوکہ دینے کے کئی طریقے ایجاد کر لیے۔ اکتوبر 2022ء اور یکم مئی 2024ء کے درمیان ان کے جہاز فوجی ساز و سامان لے کر اسرائیل آتے جاتے رہے۔ کیک لاڈ میں خاندان نے اس مدت میں اسرائیل کو ترکی سے 21.82 فیصد تیل لے کر اسرائیل پہنچایا۔

پھر مئی 2024ء سے دسمبر 2025ء تک No Harbour for Genocide کے مطابق دو یونانی کمپنیوں نے اسرائیل کو ترکی سے 91.23 فیصد تیل پہنچایا۔ ان شپ منٹس کے دوران میں بحری جہازوں کے ٹریکنگ آلات بند رکھے گئے۔ اینا ساچیز نے اپنے ادارے No Harbour کو مزید تفصیلات پر مبنی رپورٹس بھی جمع کرائیں۔

اسرائیل کو بھیجا جانے والا خام تیل باکو، تبلیسی، سی ہان (BTC) پائپ لائن کے ذریعہ پہنچایا گیا۔ یہ لائن کیسپین سمندر میں زیر آب پائپ لائن کے فاصلے 1768 کلومیٹر طے کر کے بحریہ روم پہنچایا گیا۔ پھر اس خام تیل کو اسرائیلی لڑاکا طیاروں کے ذریعہ فائن کیا کیا گیا، اسے اسرائیل کی فوجی گاڑیوں اور ٹینکوں کے لیے الگ الگ فائن کیا گیا۔ اسرائیل نے اپنے فوجی طیاروں، ٹینکوں اور گاڑیوں کے تیل کا 30 فیصد ان ذرائع سے حاصل کیا۔ اس عمل میں برطانوی کمپنی بی پی (برٹش پٹرولیم) برابر کی شریک رہی۔ وہ اس تیل کو خام سے فائن تیل میں تبدیل کرتی رہی۔ ایران کے خلاف امریکہ اسرائیل جنگ فروری 2026ء کے آخر میں شروع ہوئی۔ اسرائیل اس بات سے خوف زدہ رہا کہ اسلامی پاسداران انقلاب کو زیر آب اس نیٹ ورک کا علم ہو گیا تو وہ اسے تباہ کر دیں گے۔

یہی دو خاندان نائیجیریا سے بھی اسی نوعیت کا فوجی سامان لے کر اسرائیل منتقل کرتے رہے۔ پھر گبون، کیمرون اور ویزویلا سے بھی یہ سمگلنگ کی جاتی رہی۔ انہوں نے زیادہ تر کام بی پی اور SOCAR کے فنی تعاون سے کیا۔ بی ٹی سی پائپ لائن کی ملکیت میں آذربائیجان بھی شامل ہے۔

اس رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسرائیل نے نسل کشی کی غزہ کے خلاف جنگ محض اپنے وسائل اور ذرائع سے نہیں لڑی۔ اس میں بین الاقوامی جہاز رانی، کمپنیاں، بندرگاہیں اور حکومتیں شامل رہی۔ ترکی، مصر، نائیجیریا، آذربائیجان اور دیگر ممالک بھی ایسے منصوبوں میں شامل رہے۔ نسل کشی کے لیے اسلحہ، جہاز، ٹینک، مشین گنیں، گولہ بارود اور دیگر سامان میں یہ ممالک اور بہت سے دوسرے ممالک بھی شامل رہے۔ لیلہ ہیفینے کی رپورٹ میں ان کا مکمل احاطہ کیا گیا ہے۔

ملٹری کارگو:

تیل اور اسی طرح کی دیگر مصنوعات کے ساتھ ساتھ جو ''خدمات'' نسل کشی کے لیے اسرائیل کو دی گئیں ان میں کول فائرڈ پاور سٹیشنز اور یونانی فرمیں پیش پیش تھیں۔ غزہ میں نسل کشی کے لیے یہ ممالک، خاندان اور کمپنیاں اپنے مادی منافع کے لیے سارے عمل میں شامل رہیں۔

اوپر جس ادارے (No Harbour) کا ذکر کیا گیا ہے، اس کی مفصل اور جامع رپورٹ نے مزید بتایا ہے کہ نسل کشی کے جرموں میں چار مزید یونانی کمپنیاں ملوث رہیں۔ ان میں:

- Conship Bra
- The Marla Bull
- The Jamica
- Zim America

شامل تھیں۔ یہ اسرائیل کی سب سے بڑی فرم Elbit System کو یہ سارا سامان بہم پہنچاتی رہیں۔ اکتوبر 2024ء میں Port of Piraeus کی بندرگاہ پر مارلائل کے کارگو کو عرشے پر کام کرنے اور سامان لوڈ، آف لوڈ کرنے والے مزدوروں نے احتجاج کرتے ہوئے کامیابی سے روکا۔ انہوں نے 21 ٹن ایمونیشن اسرائیل جانے نہ دیا۔

مختصراً یہ بات رپورٹ کی گئی Makos Bekris نے یونانی ڈاک مزدوروں کی مدد سے کام کیا۔ ان کے خلاف مقدمات درج کیے گئے۔ ان پر الزام لگایا گیا کہ ان کی مشترکہ جدوجہد سے وہ سامان اسرائیل نہ جا سکا جو اس مقصد کے لیے وہاں موجود تھا۔

دسمبر 2025ء میں زم امریکہ نے کوسٹا مائیر شپ کمپنی کی مدد سے konstantakopoulos خاندان کی نگرانی میں جو کہ ایک اور اہم یونانی خاندان کی سرپرستی میں سامان اسرائیل لے جانے کی کوشش کی جسے عرشے پر سامان لوڈ کرنے والے مزدوروں نے روک دیا۔ اس سامان میں 18 ٹن کیتن بیرل Elbit Systems کے لیے لے جانا تھے۔ اس مرتبہ اس سامان کو روکنے والے فرانس کے کارکن تھے۔

یونان کے خاندانوں نے مختلف ہتھکنڈے استعمال کیے تا کہ اسرائیل کی نسل کشی کی جنگ سے مادی فائدے حاصل کر سکیں۔ فلسطینی فون ان کے مادی فائدوں کے مقابلے میں بہت سستا سمجھا گیا۔ اب یہ کہنا بے فائدہ ہے کہ ان یونانی خاندانوں اور کمپنیوں کو قانون کے کٹہرے میں لایا جائے لیکن کس قانون کے کٹہرے میں؟

خصوصی رپورٹ: الیاس گچھوری

القسام بریگیڈ کے ترجمان ابو عبیدہ ثانی کا بیان

حماس: غیر مسلح ہونے کے قبل معاہدے پر عمل کیا جائے

حماس اور اسرائیل کے درمیان صدر ٹرمپ کے 20 نکاتی منصوبے کی خلاف ورزی اسرائیل نے فوراً کر دی تھی۔ امریکہ اور صیہونی ریاست نے مطالبہ شروع کر دیا تھا کہ حماس کو غیر مسلح کیا جائے۔ بورڈ آف پیس بننے سے پہلے، دوران اور بعد میں کسی اور پیش قدمی کے بجائے اسرائیلی فوج کے غزہ سے مکمل انخلاء کے بغیر اور غزہ میں نسل کش حملوں کے جاری رہنے کے باوجود یہ کہا جانے لگا کہ حماس کو غیر مسلح کیا جائے، وہ خود غیر مسلح ہو جائے، وغیرہ۔

اب اس مطالبے میں ایران پر اسرائیل اور امریکہ کے حملے کی آڑ میں اس کے لیے غزہ میں قتل عام کے باوجود غیر مسلح ہونے کا کہا جا رہا ہے۔ اب حماس کے ترجمان ابو عبیدہ نے واضح کر دیا ہے کہ جب تک اسرائیل اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کرتا، غزہ کو مکمل خالی نہیں کرتا، حماس سے غیر مسلح ہونے کا مطالبہ غیر فطری اور غیر حقیقی ہے۔

ابو عبیدہ نے ایک ریکارڈ شدہ بیان جاری کیا ہے جس میں تمام متعلقہ امور پر بات کی گئی ہے۔ انہوں نے اسرائیل پر تہران کے حملوں کی حمایت کا اعلان کیا ہے۔ انہوں نے آیت اللہ خامنہ ای کی شہادت پر امریکہ اور اسرائیل کے حملوں پر تنقید کی ہے۔ انہوں نے ان ممالک پر شدید تنقید کی ہے جو امریکہ اور اسرائیل کے حملوں کو روکنے کے بجائے فلسطین کے مجاہد گروپوں پر تنقید شروع کر دی ہے۔ اس جنگ کو رکوانے کے لیے کام کرنے والے ممالک اور راہ نما بھی یک طرفہ بات کر رہے ہیں، وہ حماس، حزب اللہ اور دیگر پر تو دباؤ ڈال رہے ہیں اسرائیل کے غزہ ولبنان اور شام پر حملوں اور اقدامات کو نہیں روک رہے۔

ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ اسرائیل اور امریکہ کے ایران پر حملے اور جنگ مسلط کرنا غزہ میں نسل کشی کی ہی توسیع ہے۔ انہوں نے کہا ہے ہمارا رشتہ برادرانہ ہے۔ ہم اپنے بھائیوں کو ان حالات میں تنہا نہیں چھوڑ سکتے۔ ایران، ہمارے اسرائیل پر 7 اکتوبر 2023ء کے حملے کے بعد کی صورت حال کی وجہ سے جارحیت کا سامنا کر رہا ہے۔

ابو عبیدہ نے ایران کی طرف سے اظہار یکجہتی کے پیغام پر بھی حماس کی طرف سے تائید و حمایت کا اعلان بھی کیا ہے۔ انہوں نے ترجمان کی حیثیت سے ایران کے پاسداران انقلاب کے خاتم الانبیاء ہیڈ کوارٹرز کی بھی مکمل حمایت کا ذکر کیا ہے۔ ہیڈ کوارٹر نے شیخ احمد یٰسین اور یحییٰ ابو ابراہیم السنوار کی شہادتوں کا اعتراف کیا ہے اور کہا ہے کہ ان شہیدوں کا خون ہرگز رائیگاں جانے نہیں دیا جائے گا۔

یاد رہے کہ القسام بریگیڈ نے اپنے ترجمان کا تعارف دسمبر میں کرایا تھا۔ اس امر کی باقاعدہ تصدیق کی گئی تھی کہ پہلے ترجمان، جن کے نام کو نئے ترجمان کے نام سے یاد اور زندہ رکھا گیا ہے۔ ابو عبیدہ اول غزہ میں اسرائیل کے حملے شہید ہو گئے تھے۔ القسام بریگیڈ نے واضح کیا تھا کہ شہید ابو عبیدہ کا نام حذیفہ الکہلوت تھا۔ نئے ترجمان نے بھی اپنے لیے ابو عبیدہ کا نام ہی اختیار کیا تھا تا کہ حذیفہ کی خدمات کو یاد رکھا جائے۔

غزہ کی بات کرتے ہوئے ترجمان ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ حماس اور اسرائیل کے درمیان ثالثی کرانے والے اب حماس سے ہی مذید رعایتوں کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ وہ فلسطین سے گہری وابستگی کے برخلاف اسرائیل کے لیے یہ سب کچھ طلب کر رہے ہیں، یہ انصاف کے تقاضوں کی خلاف ورزی ہے۔ وہ اسرائیل کو اپنے وعدے پورے کرنے کے لیے دباؤ ڈالیں۔ ابو عبیدہ نے کہا کہ ہمارا دشمن اسرائیل جو کچھ کرنے کی کوشش کر رہا ہے، وہ ہماری مزاحمت کمزور کرنے اور اس بارے میں شکوک وشبہات پیدا کر رہا ہے۔ غزہ کے عوام کی مزاحمت کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ ہم ان رویوں کی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہیں۔ یہ رویے بہت خطرناک ہیں جو غزہ پر ایک نئی جنگ مسلط کر رہے ہیں۔

ابو عبیدہ نے مزید کہا ہے کہ اسرائیل پر دباؤ بڑھانے کی ضرورت ہے، اسے یاد دلانا ضروری ہے کہ اب بھی اس کی طرف سے غزہ کی ناکہ بندی جاری ہے۔ اسی سلسلہ میں بھی ثالث اور ضامن اپنا کردار ادا نہیں کر رہے۔ اس لیے انہیں معاہدے کے پہلے حصے پر عمل درآمد سے پہلے دوسرے حصے پر عمل درآمد اور حماس کو غیر مسلح کرنے کی بات زیب نہیں دیتی۔

ابو عبیدہ نے واضح کیا ہے کہ اسرائیل غزہ کے شہریوں کو اب بھی قتل اور زخمی کر رہا ہے۔ مغربی کنارے میں بھی یہی صورت حال ہے۔ انہوں نے رمضان المبارک میں الاقصیٰ مسجد کو بند رکھنے اور فلسطینیوں کو نماز بڑھنے اور عبادت کرنے سے روکا گیا ہے۔ اس پر اسرائیل کے بجائے حماس پر بین الاقوامی سطح پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔

ابو عبیدہ نے خطے میں موجود ہر مزاحمتی گروہ سے کہا ہے کہ اسرائیل کی ہر جگہ مزاحمت کرنا ضروری ہے۔ مغربی کنارے میں اسرائیلی فوج اور اس کے ایجنٹوں کو آزادانہ فلسطینی لوگوں کے قتل اور ان کی املاک کو تباہ کرنے سے روکنے کے لیے بھی ان کی مزاحمت کر رہی ہے۔ مقبوضہ بیت المقدس کو بھی ان حالات میں تنہا نہیں چھوڑنا چاہیے۔ وہاں بھی صیہونی جارحیت کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

ابو عبیدہ نے اسرائیل کو خبردار کیا ہے کہ ہمیں جو زخم لگائے گئے ہیں، وہ یوں ہی رائیگاں نہیں جانے دیے جائیں گے۔ صیہونی قابض فوج سے ہر زخم کا حساب بھی لیا جائے گا اور بدلہ بھی لیا جائے گا۔

ابو عبیدہ نے اسرائیل کو یہ بھی کہا ہے کہ الاقصیٰ مسجد پر حملوں اور فلسطینی قیدیوں پر ظلم وستم کے نتائج اسرائیل کو برداشت کرنا ہوں گے۔ اسرائیل کے ان اقدامات کے پورے خطے پر اثرات مرتب ہوں گے۔

ابو عبیدہ نے شام سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ شام ایک دھڑکتا دل ہے۔ ہم فلسطینیوں کے لیے اس کی کوششوں کی تعریف کرتے ہیں اور مستقبل میں بھی اس سے ایسے ہی کردار کی توقع رکھتے ہیں۔

یاد رہے کہ جمعۃ المبارک کو شام کے عوام بڑی تعداد میں فلسطینیوں کی حمایت میں سڑکوں پر نکلے، انہوں نے فلسطین کے حق میں مظاہرے بھی کیے۔ مظاہرین نے الاقصیٰ کی ناکہ بندی کی بھی مذمت کی۔ یہودیوں کو فوج کی نگرانی میں لے جانے کی مذمت کی۔ مظاہرین نے حماس سے غیر مسلح ہونے کے مطالبہ کی مذمت کی۔ انہوں نے نظر بند فلسطینیوں سے یکجہتی کا اظہار کیا اور انہیں پھانسیاں دینے کی بھی مخالفت میں نعرے بلند کیے۔ الاقصیٰ مسجد کی مکمل بازیابی تک جدوجہد جاری رکھنے کا اعلان کیا۔ یہ مظاہرے پورے ملک میں کیے گئے۔ ان مظاہروں میں اسرائیل کے مظالم کی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے کہا کہ کسی بھی صورت میں حماس کو غیر مسلح نہیں کیا جائے گا۔

پیش منظر: افتخار گیلانی

غزہ ہو گیا عالمی سرخیوں سے اوجھل

غزہ آج بھی وہاں کھڑا ہے جہاں کل تھا تنہا، زخمی اور سسکتا ہوا صرف اس فرق کے ساتھ کہ اب اس کی تکلیف عالمی سرخیوں میں نہیں، بلکہ صرف تاریخ کے خونی صفحات میں لکھی جا رہی ہے۔

جیسے جیسے مشرقِ وسطیٰ کا تزویراتی نقشہ تبدیل ہو رہا ہے اور عالمی سیاست کا مرکز ثقل ایران، امریکہ اور اسرائیل کے درمیان پھیلتی ہوئی ایک ہمہ گیر جنگ اور لبنان کے دہکتے ہوئے محاذ کی طرف منتقل ہو رہا ہے، بحیرہ روم کے ساحل پر فلسطینی زمین کا وہ لہو رنگ ٹکڑا غزہ پٹی عالمی ضمیر اور شہ سرخیوں سے بتدریج اوجھل ہوتا جا رہا ہے۔

اکتوبر 2025 میں جس جنگ بندی کا اعلان کیا گیا تھا، اسے ایک بڑی انسانی راحت اور بارود کے دھوئیں میں ایک وقفے کے طور پر دیکھا گیا تھا۔لیکن زمین پر موجود حقائق ابھی بھی ایک ہولناک کہانی سنا رہے ہیں۔ وہاں بمباری اب بھی جاری ہے، انسانی بحران سنگین تر ہو چکا ہے، اور اس محصور علاقے میں زندگی ایک ایسی بے یقینی کے سائے میں گزر رہی ہے جہاں نہ کوئی قانون ہے اور نہ ہی تحفظ۔

اسی گھمبیر صورتحال کے ادراک کے لیے میں نے اسرائیل کے معروف اور نڈر انسانی حقوق کے ادارے بی ٹسلم کے ترجمان یائر دویر سے رابطہ کیا۔ ان کی گفتگو محض ایک انٹرویو نہیں بلکہ اس نسل پرست نظام کے پردے چاک کرنے کی ایک کوشش ہے جو علاقائی جنگوں کی آڑ میں ایک پوری قوم کو مٹانے پر تلا ہوا ہے۔

اسرائیل جیسے تشدد پسند معاشرے میں، جہاں ریاست کی پالیسیوں پر تنقید کو غداری سے تعبیر کیا جاتا ہے، بی ٹسلم (انسانی حقوق کے لیے اسرائیلی معلوماتی مرکز) مقبوضہ فلسطینی علاقوں میں ایک ایسی اخلاقی آواز ہے جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

سال 1989 میں قائم ہونے والا یہ ادارہ محض ایک غیر سرکاری تنظیم نہیں، بلکہ یہ ایک ایسا مشن ہے جو اسرائیل کے اندر سے کام کرتا ہے۔ اس کا عبرانی نام بائبل کی اس آیت سے لیا گیا ہے جس کا مفہوم ہے کہ ہر انسان خدا کی صورت پر تخلیق کیا گیا ہے۔ یعنی ہر انسان کی جان اور حرمت برابر ہے۔

بی ٹسلم کا کام مقبوضہ فلسطینی علاقوں غزہ، مغربی کنارہ اور مشرقی یروشلم میں ہونے والی انسانی حقوق کی پامالیوں کی غیر جانبدارانہ دستاویز سازی کرنا ہے۔ یہ ادارہ ویڈیو شہادتوں، اعداد و شمار اور قانونی رپورٹوں کے ذریعے وہ سچ دنیا کے سامنے لاتا ہے جسے اسرائیلی پروپیگنڈا مشینری چھپانے کی کوشش کرتی ہے۔

اسرائیل کے اندر رہتے ہوئے اس کام کی بھاری قیمت چکانی پڑتی ہے۔ بی ٹسلم کے کارکنوں کو ففتھ کالمسٹ کہا جاتا ہے، ان پر جسمانی حملے ہوتے ہیں، اور پارلیامنٹ یعنی کنیسٹ میں ان کی فنڈنگ روکنے کے لیے قوانین بنائے جاتے ہیں۔لیکن اس سب کے باوجود، بی ٹسلم نے کبھی سمجھوتہ نہیں کیا۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ وہ تاریخی رپورٹ تھی جس میں انہوں نے پہلی بار اسرائیل کو ایک اپارتھائیڈ یعنی نسل پرست ریاست قرار دیا، جو دریائے اردن سے بحیرہ روم تک یہودیوں کی برتری کے اصول پر قائم ہے۔

یائر دویر اس ادارے کا وہ چہرہ ہیں جو خشک اعداد و شمار کو انسانی جذبات اور عالمی قانون کی زبان دیتے ہیں۔ دویر ایک ایسی نسل کے نمائندے ہیں جو اسرائیلی نظام کے اندر رہتے ہوئے اس کے تضادات کو قریب سے دیکھتی ہے۔

بطور ترجمان، ان کی ذمہ داری صرف پریس ریلیز جاری کرنا نہیں بلکہ عالمی برادری کو یہ باور کرانا ہے کہ جب دنیا تہران اور واشنگٹن کے درمیان تزویراتی چالوں کو دیکھ رہی ہوتی ہے، تو غزہ کی گلیوں میں ایک ایک کر کے انسانیت دم توڑ رہی ہوتی ہے۔

دویر کا تجزیہ دوٹوک اور لرزہ خیز ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ ایران اور لبنان کے ساتھ چھیڑی گئی جنگ دراصل اسرائیل کے لیے ایک سیاسی ڈھال بن گئی ہے۔ جس کے پیچھے وہ اپنے اس ایجنڈے کو پایہ تکمیل تک پہنچا رہا ہے جسے وہ عام حالات میں انجام نہیں دے سکتا تھا۔ گفتگو کے آغاز میں ہی یائر دویر نے ایک تلخ حقیقت کی طرف اشارہ کیا کہ جنگ بندی کے سات ماہ بعد بھی صورتحال بہتر ہونے کے بجائے بدتر ہو چکی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اکتوبر 2023ء سے اب تک اسرائیل نے تمام فلسطینیوں کے خلاف ایک ہمہ جہت جنگ چھیڑ رکھی ہے۔

غزہ میں نسل کشی اور مکمل مسماری ہو رہی ہے، مغربی کنارے میں نسلی صفائی کا عمل تیز ہے، اور خود اسرائیل کے اندر فلسطینیوں کے خلاف امتیازی سلوک کی جڑیں گہری ہو رہی ہیں۔ دنیا یہ سمجھ رہی ہے کہ توجہ ہٹنے سے ظلم رک گیا ہے، لیکن حقیقت میں اسرائیل اس خاموشی کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہا ہے۔

دویر نے بڑے کرب سے بیان کیا کہ ایران اور لبنان کے محاذوں نے اسرائیل کو ایک توجہ ہٹانے کی حکمت عملی فراہم کر دی ہے۔ جب عالمی میڈیا کے کیمرے تہران کے میزائلوں اور بیروت پر گرنے والے بموں کی طرف مڑ گئے، تو اسرائیل نے مغربی

کنارے میں آباد کار یہودی ملیشیاؤں کھلی چھوٹ دے دی۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آباد کار اور اسرائیلی فوج مل کر روزانہ فلسطینیوں پر حملے کر رہے ہیں۔ جنگ شروع ہونے کے بعد سے اب تک صرف آباد کاروں نے کئی فلسطینیوں کو شہید کیا، ان کے گھر جلائے اور ان کے مویشی لوٹ لیے۔ یہ وہ سچ ہے جو بڑی جنگوں کی سرخیوں میں دب گیا ہے۔

جنگ بندی کے معاہدے پر بات کرتے ہوئے دویر نے انکشاف کیا کہ اسرائیل نے اسے پہلے ہی دن سے پیروں تلے روند دیا تھا۔ اکتوبر 2025 کی جنگ بندی کے بعد سے اب تک 750 سے زائد فلسطینی شہید ہو چکے ہیں، جن میں سے 400 شہادتیں فروری 2026 میں ایران پر ہونے والے اسرائیلی۔امریکی حملے کے دوران ہوئیں۔

دویر نے سب سے ہولناک انکشاف ییلو یعنی پہلی لکیر کے حوالے سے کیا، جس کو اسرائیل نے کھینچ کر ایک بفر زون قائم کیا ہے۔ یہ وہ لکیر ہے جس نے غزہ کے جغرافیے کو ہمیشہ کے لیے بدل دیا ہے۔ ٹرمپ کے منصوبے کے تحت بنائی گئی اس لکیر نے غزہ کا آدھے سے زیادہ رقبہ عارضی طور پر اسرائیلی کنٹرول میں دے دیا ہے۔ سیٹلائٹ تصاویر بتاتی ہیں کہ اسرائیل نے اس لائن کے ساتھ سات نئی مستقل فوجی چوکیاں قائم کی ہیں اور کلومیٹر طویل زمینی باڑ لگا دی ہے۔ اب 21 لاکھ انسانوں کو غزہ کے آدھے سے بھی کم رقبے پر ٹھونس دیا گیا ہے۔

وہ بتاتے ہیں کہ تقریباً 16 لاکھ لوگ شدید ترین فاقہ کشی کا شکار ہونے والے ہیں کیونکہ اسرائیل نے امداد میں 80 فیصد تک کمی کر دی ہے۔

مارچ میں صرف 16 مریضوں کو علاج کے لیے باہر جانے دیا گیا، جبکہ 18 ہزار سے زائد زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ یہ کوئی قدرتی آفت نہیں بلکہ ایک سوچی سمجھی انسانی تباہی ہے جو اسرائیل نے خود انجینئر کی ہے۔

بی ٹسلم کی جانب سے غزہ مہم کو نسل کشی قرار دینے کے سوال پر دویر نے قانونی باریکیوں پر روشنی ڈالی۔ ان کے بقول، کسی بھی کارروائی کو نسل کشی ثابت کرنے کے لیے ارادہ سب سے اہم ہوتا ہے۔

آپ کو کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں، صرف اسرائیلی قیادت کے بیانات دیکھ لیں۔ جب وزراء کھلے عام کہتے ہیں کہ غزہ میں کوئی معصوم نہیں، جب وہ فاقہ کشی کو بطور ہتھیار استعمال کرنے کا اعلان کرتے ہیں اور جب وہ عبرانی میڈیا پر فخر سے کہتے ہیں کہ وہ پورے شہروں کو مٹا دیں گے، تو ارادہ واضح ہو جاتا ہے۔ 70 ہزار سے زائد ہلاکتیں، جن میں اکثریت خواتین اور بچوں کی ہے، ہسپتالوں کی تباہی اور صحافیوں کا قتل محض اتفاق نہیں ہے۔ یہ ایک پوری قوم کو مٹانے کا طے شدہ منصوبہ ہے۔

مغربی کنارے کی صورتحال کا ذکر کرتے ہوئے یائر دویر کی آواز میں غصہ اور دکھ صاف جھلکتا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ اب اسرائیلی فوج اور یہودی مسلح آباد کاروں کے درمیان فرق مٹ چکا ہے۔ آج یہ پہچاننا مشکل ہے کہ کون آباد کار ہے اور کون فوجی۔ آباد کار اب فوجی وردیاں پہن کر اور ریاست کے دیے ہوئے ہتھیاروں سے فلسطینیوں کو ان کے گھروں سے بے دخل کر رہے ہیں۔ اب تک 59 فلسطینی کمیونٹیز کو ان کی زمینوں سے صاف کیا جا چکا ہے۔

ان کا ماننا ہے کہ اسرائیل اس وقت مغربی کنارے کو مکمل طور پر ضم کرنے کی دوڑ میں ہے تاکہ تیس لاکھ فلسطینیوں کو الگ تھلگ جزیروں میں قید کر دیا جائے اور پورے علاقے پر یہودی برتری کو قانونی شکل دے دی جائے۔ یہ سب کچھ اس لیے ممکن ہو رہا ہے کیونکہ دنیا کی نظریں ایران اور لبنان کے محاذ پر لگی ہیں۔

لبنان کی صورتحال پر بات کرتے ہوئے دویر نے ایک خطرناک حقیقت کی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ اسرائیل کے وزیرِ دفاع نے خود تسلیم کیا ہے کہ وہ جنوبی لبنان میں رفح اور بیت حانون ماڈل دہرا رہے ہیں۔

'اس کا مطلب ہے؛ بے دریغ بمباری، آبادی کی جبری منتقلی اور دیہاتوں کو ملبے کے ڈھیر میں بدلنا۔ اسرائیل کو لگتا ہے کہ اسے ایک ایسا لائسنس مل گیا ہے جہاں وہ جو چاہے کر سکتا ہے کیونکہ عالمی برادری اسے روکنے میں ناکام رہی ہے۔'

جنوبی لبنان کے کئی قدیم دیہات اب صرف تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔

جب ان سے عالمی اداروں اور آئی سی سی یعنی عالمی فوجداری عدالت کے بارے میں پوچھا گیا، تو دویر نے نہایت مایوسی کا اظہار کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ غزہ میں جس طرح اسرائیل کو استثنیٰ دی گئی ہے، اس نے عالمی احتسابی نظام کی بنیادیں ہلا دی ہیں۔ ہم انسانی حقوق کے عالمی اصولوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے دم توڑتے دیکھ رہے ہیں۔ یہ صرف فلسطینیوں پر حملہ نہیں ہے، بلکہ یہ اس عالمی قانون کے تصور پر حملہ ہے جس کے تحت ہم سب کو تحفظ ملنا تھا۔ اس کی قیمت آج فلسطینی چکا رہے ہیں، کل پوری انسانیت چکائے گی۔

یائر دویر نے ہندوستان اور گلوبل ساؤتھ کے دیگر ممالک کے کردار پر بھی بات کی۔ انہوں نے کہا کہ وہ حکومتیں جو نسل کشی کے اتنے عرصے بعد بھی اسرائیلی پالیسیوں کی حمایت کر رہی ہیں، وہ اپنے ہی اخلاقی وجود کو کھو رہی ہیں۔

گلوبل ساؤتھ کے عوام اب حقیقت جان چکے ہیں۔ انہیں اپنی حکومتوں پر دباؤ ڈالنا چاہیے کہ وہ اس ناانصافی کو ختم کرانے میں اپنا کردار ادا کریں۔ اسرائیل وہ جمہوریت نہیں ہے جس کا وہ دعویٰ کرتا ہے، بلکہ ایک ظالم اپارتھائیڈ یعنی نسل پرست نظام ہے۔

گفتگو کے اختتام پر دویر نے اسرائیلی معاشرے کی نفسیاتی کیفیت کا نہایت گہرا تجزیہ پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ اسرائیلی معاشرہ ایک ایسے نظام کے تحت پروان چڑھ رہا ہے جہاں بچپن سے ہی فوجی برتری اور فلسطینیوں کی تذلیل سکھائی جاتی ہے۔

غزہ میں نسل کشی اس لیے ممکن ہوئی کیونکہ ہم نے عشروں سے اپنے ذہنوں میں فلسطینیوں کو انسان ماننا چھوڑ دیا تھا۔ ریاست کی پروپیگنڈا مشینری نے لوگوں کو یہ یقین دلا دیا ہے کہ ان کی بقا دوسروں کی تباہی میں ہے۔

ان کے اس بیان نے مجھے چونکا دیا کہ کہیں اس وقت ہندوستان میں ہندو فرقہ پرست کی طرف سے جس طرح مسلمانوں کو ایک باضابطہ پلان کے تحت لو جہاد، لینڈ جہاد وغیرہ مفروضوں کو لے کر ایک ویلن کے بطور اکثریتی فرقہ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے کہ کہیں یہ اسی ماڈل کی تیاری تو نہیں ہے؟

یائر دویر کی یہ گفتگو ایک ایسی یاد دہانی ہے کہ جب دنیا تزویراتی چالوں، تہران کے میزائلوں اور واشنگٹن کی ڈپلومیسی میں الجھی ہوتی ہے، تو کہیں دور، ایک محصور پٹی میں انسانیت سسک سسک کر دم توڑ رہی ہوتی ہے۔

بی ٹسلم کا یہ ترجمان ہمیں خبردار کر رہا ہے کہ غزہ کی خاموشی دراصل عالمی ضمیر کی موت ہے۔ اگر آج ہم نے ان چیخوں کو نہ سنا جو بڑی جنگوں کے شور میں دب گئی ہیں، تو تاریخ ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔

یہ انٹرویو صرف ایک صحافتی تحریر نہیں، بلکہ ایک ایسی حقیقت کا نوحہ ہے جسے دنیا نے اپنی سہولت کے لیے بھلا دیا ہے۔ غزہ آج بھی وہاں کھڑا ہے جہاں کل تھا تنہا، زخمی اور سسکتا ہوا صرف اس فرق کے ساتھ کہ اب اس کی تکلیف عالمی سرخیوں میں نہیں، بلکہ صرف تاریخ کے خونی صفحات میں لکھی جا رہی ہے۔

'I felt like I was a monster': Moral injury after the Gaza war

Tom Levinson

Yuval sits biting his nails, his legs fidgety. It's noon in Tel Aviv and the street is full of people. Sometimes he looks around, anxiously scanning the people passing by. "Sorry," he says. "My biggest fear is a vendetta."

But Yuval (an alias, as are all the names in this article) wasn't born into a crime family. And he's not a criminal. He's 34, grew up in Tel Aviv suburb Ramat Hasharon and became a computer programmer. Until recently he worked at one of the world's biggest high-tech companies, but he hasn't gone there for months. "I was in hell, but I wasn't aware of it," he says.

The hell he's talking about took place in Khan Yunis in southern Gaza back when he was a soldier in December 2023. "There were airstrikes all the time. A one-ton bomb falls not far from you and makes your heart jump."

His unit was moving west toward the center of the city. "There was heavy fighting. ... You function on autopilot. You don't ask questions," he says.

The questions will only come and haunt him months later. "I don't have good answers; I don't have any answers at all. There's no forgiving what I've done. No atonement."

It happened near Salah al-Din Road, Gaza's main highway. Using a drone, one platoon noticed suspicious figures. Yuval's unit charged. "I was firing like a madman, like they teach you in platoon drills in basic training," he says.

"When we got to our destination, I realized that these weren't terrorists. It was an old guy and three boys, maybe teenagers. Not one of them was armed. But their bodies were riddled with bullets; their organs were pouring out. I had never seen anything like that so close up.

"I remember there was silence, nobody uttered a word. Then the battalion commander came over with his people and one spat on the bodies and yelled, 'This is what happens to anybody who messes with Israel, you sons of bitches.' I was in shock, but I kept quiet because I'm a ... a gutless coward."

Yuval was ... about three months ... took two weeks off ... back to his job. "The... party for me when ... charged, applaude... called me a hero. "But I felt I was a ... couldn't bear the ... said to me. I felt ... realize that I ...

See MORAL, Page

تجزیہ: ڈاکٹر اسامہ شفیق

غزہ جنگ کے بعد ضمیر کے زخم

اسرائیل کے قدیم و معتبر اخبار Haaretz نے 19 اپریل 2026 کی اشاعت میں اسرائیلی افواج کی جانب سے فلسطینیوں پر مظالم اور اس کے نتیجے میں اسرائیلی فوجیوں کو درپیش شدید نفسیاتی دباؤ اور بیماریوں کی ایک ایسی رپورٹ شائع کی ہے جو اسرائیل کے جنگی مظالم سفاکیت اور بے گناہ انسانوں کے قتل عام کے لیے ناقابل تردید ثبوت ہے۔ یہ سب کچھ اسرائیل کے اندر کی گواہی ہے کوئی ذی شعور انسان اس رپورٹ کو پڑھ کر اپنے آپ پر شاید ہی ضبط رکھ سکے۔

ایک ایسی رپورٹ کہ جس کو ہر صاحب دل فرد تک پہنچنا چاہیئے آپ تمام افراد سے گذارش ہے کہ اس کو اپنے حلقہ احباب میں ضرور شیئر کریں اور اگر ممکن ہو تو اس کو آڈیو ویڈیو کی شکل میں بھی بنا کر آگے بڑھائیں۔ رپورٹ کا انگریزی سے اردو ترجمہ آپ کی خدمت میں۔

یُووال اپنے ناخن چباتے ہوئے بیٹھا ہے، اس کی ٹانگیں بے چینی سے ہل رہی ہیں۔ تل ابیب میں دوپہر کا وقت ہے اور سڑک لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔ کبھی کبھی وہ ارد گرد دیکھتا ہے، گزرتے ہوئے لوگوں کو بے چینی سے تکنے لگتا ہے۔

وہ کہتا ہے: ''معاف کیجیے، میرا سب سے بڑا خوف انتقام ہے۔''

لیکن یُووال (یہ ایک فرضی نام ہے، جیسا کہ اس مضمون میں تمام نام فرضی ہیں) کسی جرائم پیشہ خاندان میں پیدا نہیں ہوا اور نہ ہی وہ مجرم ہے۔ وہ 34 برس کا ہے، تل ابیب کے نواحی علاقے رامات ہاشارون میں پلا بڑھا اور ایک کمپیوٹر پروگرامر بنا۔ حال ہی میں وہ دنیا کی ایک بہت بڑی ہائی ٹیک کمپنی میں کام کرتا تھا، مگر کئی ماہ سے وہاں نہیں گیا۔

وہ کہتا ہے: ''میں جہنم میں تھا، مگر مجھے اس کا احساس نہیں تھا۔''

جس جہنم کی وہ بات کر رہا ہے، وہ جنوبی غزہ کے خان یونس میں دسمبر 2023 کے دوران پیش آیا، جب وہ ایک سپاہی تھا۔

''ہر وقت فضائی حملے ہو رہے تھے۔ ایک ایک ٹن کا بم آپ کے قریب گرتا ہے تو دل اچھل پڑتا ہے۔''

اس کی یونٹ شہر کے مرکز کی طرف مغرب کی سمت بڑھ رہی تھی۔

''شدید لڑائی ہو رہی تھی آپ خودکار انداز میں کام کرتے ہیں۔ آپ سوال نہیں کرتے'' وہ کہتا ہے۔

وہ سوال بعد میں آتے ہیں اور پھر اسے ستاتے رہتے ہیں۔

''میرے پاس اچھے جواب نہیں ہیں، میرے پاس تو کوئی جواب ہی نہیں۔ جو میں نے کیا اس کی معافی نہیں۔ کوئی کفارہ نہیں۔''

یہ صلاح الدین روڈ کے قریب ہوا، جو غزہ کی مرکزی شاہراہ ہے۔ ایک پلاٹون نے ڈرون کے ذریعے کچھ مشتبہ افراد دیکھے۔ یُووال کی یونٹ نے دھاوا بول دیا۔

وہ کہتا ہے: ''میں پاگلوں کی طرح فائرنگ کر رہا تھا، بالکل ویسے ہی جیسے بنیادی تربیت میں پلاٹون کی مشقوں میں سکھاتے ہیں۔''

''جب ہم اپنی منزل پر پہنچے تو مجھے احساس ہوا کہ یہ دہشت گرد نہیں تھے۔ ایک بوڑھا آدمی تھا اور تین لڑکے، شاید نوعمر۔ ان میں سے کسی کے پاس ہتھیار نہیں تھا۔ مگر ان کے جسم گولیوں سے چھلنی تھے، ان کے اعضا باہر نکل رہے تھے۔ میں نے اتنی قریب سے کبھی ایسا منظر نہیں دیکھا تھا۔

''مجھے یاد ہے، خاموشی تھی، کسی نے ایک لفظ نہیں کہا۔ پھر بٹالین کمانڈر اپنے لوگوں کے

ساتھ آیا، ایک نے لاشوں پر تھوکا اور چلّایا: ''جو بھی اسرائیل سے پنگا لے گا، اس کے ساتھ یہی ہوگا، حرام زادو۔ میں صدمے میں تھا، مگر خاموش رہا کیونکہ میں کمزور تھا، بس ایک بزدل۔''

تقریباً تین ماہ بعد یُوال کو فوج سے فارغ کر دیا گیا۔ اس نے دو ہفتے آرام کیا اور پھر اپنی ملازمت پر واپس چلا گیا۔

وہ کہتا ہے: ''جب مجھے فارغ کیا گیا تو انہوں نے میرے لیے پارٹی کی، تالیاں بجائیں اور مجھے ہیرو کہا۔ مگر مجھے محسوس ہوتا تھا کہ میں ایک عفریت ہوں۔ میں وہ باتیں برداشت نہیں کر سکتا تھا جو لوگ مجھ سے کہتے تھے۔ مجھے لگتا تھا کہ انہیں احساس ہی نہیں کہ میں اچھا انسان نہیں تھا، بلکہ اس کے بالکل برعکس تھا۔''

چند ماہ تک اس نے اپنی ملازمت کو تھامے رکھنے کی کوشش کی تاکہ دل پر پڑا بوجھ بھلا سکے، مگر وہ ہار گیا۔ شرمندگی کا احساس اور بڑھتا گیا۔

وہ کہتا ہے: ''میں کوشش کرتا ہوں کہ گھر سے باہر نہ نکلوں اور اگر نکلوں بھی تو ہڈی (سر پر ٹوپی والی جیکٹ) پہن لیتا ہوں تاکہ لوگ مجھے پہچان نہ سکیں۔ میں نے آئینے بھی پھینک دیے۔ میں اپنا چہرہ دیکھ نہیں سکتا۔ مجھے گہرا خوف ہے کہ کوئی مجھ سے میرے کیے کا بدلہ لے گا، حالانکہ مجھے معلوم ہے کہ یہ ناممکن ہے۔ غزہ میں کون مجھے تلاش کر سکتا ہے؟ کسے معلوم بھی ہے کہ وہ میں تھا؟

''شاید کسی نہ کسی طور میں مرنا چاہتا ہوں، بس سب ختم ہو جائے۔ میں خودکشی اس لیے نہیں کرتا کہ میں نے اپنی ماں سے وعدہ کیا ہے، مگر میں مانتا ہوں کہ مجھے نہیں معلوم میں یہ وعدہ کب تک نبھا سکوں گا۔''

حارتز سے بات کرنے کے دو دن بعد یُوال کو ایک نفسیاتی وارڈ میں داخل کر دیا گیا۔

گزشتہ سال حارتز نے ان فوجیوں کے بارے میں رپورٹ کیا تھا جو غزہ میں لڑے تھے اور ''اخلاقی زخموں'' کا شکار ہوئے۔ ایک نشانہ باز (اسنائپر) جس نے امداد کے طلبگار لوگوں کو گولی ماری تھی، کہتا ہے کہ اسے شدید ڈراؤنے خواب آتے ہیں، ڈرون آپریٹرز، جنہوں نے شہریوں کو ہلاک کیا، ایسے زخم بیان کرتے ہیں جو کبھی نہیں بھرتے۔

اسرائیل کی قومی کونسل برائے انسدادِ خودکشی کے سربراہ پروفیسر گل زالسمن کہتے ہیں:

''ہم پہلے سے کہیں زیادہ بڑے پیمانے پر ضمیر کے زخم دیکھ رہے ہیں۔ ہم نے انہیں اپنے ٹراما کلینکس اور نجی کلینکس میں دیکھا ہے۔ ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ ریزروسٹ فوجیوں کے بچے، جنہوں نے کوئی کہانی سن لی، اپنے باپوں کے کیے سے پریشان ہیں۔ یہ دوسری سطح تک پہنچ چکا ہے۔''

''اسرائیلی فوج اور حکومت نے کوئی اعداد و شمار فراہم نہیں کیے، مگر اکتوبر کی جنگ بندی کے بعد اخلاقی زخموں کے لیے مدد طلب کرنے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے، زالسمن کہتے ہیں۔ بعض اوقات ان مریضوں کو بعد از صدمہ ذہنی دباؤ (PTSD) کا شکار قرار دیا جاتا ہے، مگر کچھ مماثلت کے باوجود اخلاقی زخم ایک مختلف چیز ہے۔''

حائفہ یونیورسٹی کے پروفیسر یوسی لیوی۔بیلز کے مطابق:

''PTSD خوف پر مبنی ایک ردعمل ہے جو کسی ایسے صدمہ انگیز واقعے کے سامنے آنے سے پیدا ہوتا ہے جس میں خود انسان یا اس کے آس پاس کے لوگوں کے لیے خطرہ ہو۔''

اس کی عام علامات میں ضرورت سے زیادہ چوکنا رہنا اور اجتناب شامل ہیں۔

''ضمیر کے زخم ان واقعات کے سامنے آنے سے ہوتا ہے جنہیں بنیادی اخلاقی اقدار کی سنگین خلاف ورزی سمجھا جائے خواہ اپنی طرف سے ہو یا دوسروں کی طرف سے اور اس میں عموماً جرم، شرم، غصہ، نفرت، بیگانگی، ایمان کا کھو جانا اور شناخت، معنی اور انسانیت کے احساس کا ٹوٹ جانا شامل ہوتا ہے۔''

پھر وقت کا مسئلہ بھی ہے، لیوی بیلز کہتے ہیں جو یونیورسٹی کے لیور تسفتی سینٹر فار سوسائیڈ اینڈ مینٹل پین کے سربراہ ہیں۔

''جب جنگ ختم ہوتی ہے، سپاہی گھر لوٹتا ہے اور دنیا اچانک بہت زیادہ پے چیدہ محسوس ہونے لگتی ہے۔ سیاہ و سفید کی تمیز مٹ جاتی ہے، دنیا اب دو خانوں میں تقسیم نہیں رہتی اور وہ پیچھے مڑ کر ان واقعات کو دیکھ سکتا ہے جن سے وہ گزرا تھا اور سمجھ سکتا ہے کہ ایسی چیزیں ہوئیں جو اس کے عقائد سے ٹکراتی ہیں۔''

لیوی بیلز مزید کہتے ہیں کہ ''اخلاقی زخم تب بھی ہو سکتا ہے جب کوئی شخص خود کچھ کرے، یا کچھ ایسا دیکھے، جو اس کے اخلاقی ضابطے کی کھلی خلاف ورزی ہو۔ یہ زخم اس وقت اور زیادہ شدید ہو سکتا ہے جب اس شخص نے دوسرے کو روکنے کی کوشش نہ کی ہو اور خاص طور پر جب وہ دوسرا شخص کوئی بااختیار شخصیت ہو۔''

وہ کہتے ہیں: ''ہم کمانڈروں جیسی شخصیات سے، جو والدین جیسے سمجھی جاتی ہیں، توقع رکھتے ہیں کہ وہ ہماری حفاظت کریں گے۔ اس لیے ایسے حالات میں یہ زخم شدید بحران اور خاص طور پر سخت ذہنی اذیت کا سبب بن سکتا ہے۔''

پراڈو میں دہشت

مایا تل ابیب کے وسطی علاقے میں رہتی ہے اور فلسفہ پڑھتی ہے، خاص طور پر مشیل فوکو کی تحریریں۔ غزہ جنگ کے دوران اس نے ریزرو میں آرمرڈ کور کی ایک بٹالین میں سیکڑوں دن بطور انسانی وسائل افسر خدمات انجام دیں۔

وہ کہتی ہے: ''میری روزمرہ زندگی اور میری ریزروڈیوٹی میں کوئی تعلق نہیں۔ وہ دو الگ دنیائیں ہیں، الگ لوگ اور سچ کہوں تو میں خود بھی مختلف طرح سے برتاؤ کرتی ہوں، مختلف طرح سے بات کرتی ہوں۔ کچھ کچھ ڈاکٹر جیکل اور مسٹر ہائیڈ جیسا۔ جنگ کے دوران میں بے گناہ لوگوں کے قتل کے مناظر سے دوچار ہوئی ایسی ہولناک چیزیں کہ اگر میں انہیں حارتز میں پڑھتی تو چیخ اٹھتی، مگر ریزروڈیوٹی کے دوران وہ میرے پاس سے یوں گزر گئیں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔''

ایک واقعہ مگر اپنے پیچھے زخم چھوڑ گیا۔ یہ جنوبی غزہ میں فوج کی ایک چوکی پر ہوا۔

مایا کہتی ہے: ''میں کمانڈ روم میں بیٹھی تھی۔ اچانک نگہبانی پر موجود فوجیوں نے پانچ فلسطینیوں کو دیکھا جو اس لکیر کو عبور کر رہے تھے جسے عبور کرنے کی انہیں اجازت نہیں تھی اور شمالی غزہ کی طرف جا رہے تھے۔ سب پاگل ہو گئے۔ بہت افراتفری تھی۔ بٹالین کمانڈر نے حکم دیا کہ ان پر بھرپور فائرنگ کی جائے، حالانکہ یہ تصدیق نہیں ہوئی تھی کہ وہ مسلح تھے یا کچھ اور۔ ایک ٹینک نے اپنی مشین گن سے ان پر فائرنگ شروع کر دی۔ سینکڑوں گولیاں۔''

وہ کہتی ہے کہ ان پانچ میں سے چار فلسطینی مارے گئے۔

''کچھ گھنٹے بعد ایک D9 [کیٹرپلر بکتر بند بلڈوزر] نے انہیں ریت میں دفن کر دیا۔ جب میں نے پوچھا کیوں، تو کہا گیا کہ کتّے لاشوں کو نہ کھائیں اور بیماری نہ پھیلے۔ جو ایک زندہ بچ گیا تھا، اسے چوکی پر ایک پنجرے میں ڈال دیا گیا اور کہا گیا کہ ہمیں شِن بیت (اسرائیلی خفیہ ایجنسی) کے ایک اہلکار کے آنے کا انتظار کرنا ہوگا تاکہ وہ اس سے پوچھ گچھ کرے۔''

مگر شِن بیت کا کوئی تفتیش کار اس دن نہیں آیا۔

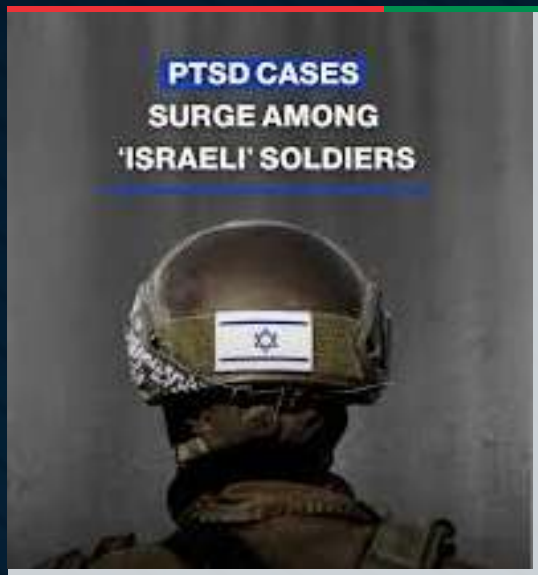

''میں نے رات اسی چوکی پر گزاری مگر سو نہ سکی، وہاں میں اکیلی لڑکی تھی۔ اچانک چند فوجیوں نے مجھے بلایا تو میں ان کے ساتھ پنجرے تک گئی۔ فلسطینی وہاں ہتھکڑی لگے اور آنکھوں پر پٹی باندھے بیٹھا تھا اور لگ رہا تھا کہ سردی سے ٹھٹھر رہا ہے۔ اچانک ایک فوجی نے اپنی پتلون کھولی اور اس پر پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ اس نے اس سے کہا: 'یہ بیئری کے لیے ہے، اے کمینے، یہ نووا کے لیے ہے۔' کِبُّوتص بیئری اور نووا میوزک فیسٹیول، وہ دو مقامات تھے جن پر 7 اکتوبر 2023 کو حماس نے حملہ کیا تھا۔''

''کوئی ہنسنا بند نہیں کر رہا تھا۔ شاید میں بھی ہنسی ہوں۔ اگلے دن شِن بیت کا تفتیش کار آیا۔ وہ اس کے ساتھ دس منٹ رہا اور پھر کہا کہ یہ بس کوئی آدمی ہے جو شمالی غزہ میں اپنے گھر واپس جانے کی کوشش کر رہا تھا، اس کا حماس سے کوئی تعلق نہیں، چنانچہ اسے چھوڑ دیا گیا۔ مایا کہتی ہے: ''جسے چند ہفتے بعد فوج سے فارغ کر دیا گیا۔ مگر جو کچھ اس نے دیکھا، وہ اس کے ساتھ رہ گیا۔ مجھے محسوس ہوتا تھا کہ میں منافق ہوں، گندی ہوں۔ میں دن میں تین بار نہاتی تھی، اس کی بے بسی کی تصویر میرا پیچھا نہیں چھوڑتی تھی۔ خیالات مجھے مسلسل کاٹتے رہتے تھے میں کیسے بس کھڑی دیکھتی رہی اور کچھ نہ کیا؟ میں جو خود کو اخلاقی سمجھتی ہوں اور پناہ گزینوں کے ساتھ رضا کارانہ کام کرتی ہوں اور احتجاجوں میں جاتی ہوں، میں نے یہ سب کیسے قبول کر لیا؟ میں نے انہیں کچھ کہا کیوں نہیں اور یہ میرے بارے میں کیا بتاتا ہے؟ میرے پاس کوئی جواب نہیں۔''

مایا اکیلی نہیں جسے اس چوکی سے ضمیر پر زخم پہنچا۔ یہودا نے بھی وہاں، مگر دوسرے وقت میں، اپنی ریزرو ڈیوٹی کے دوران خدمات انجام دیں۔

وہ کہتا ہے: ''میرا پلاٹون ہمر گاڑیوں پر ہوتا تھا اور ہم اس سیکٹر کے لیے ایک طرح کی ابتدائی ردعمل فورس تھے۔ ایک اور ہمر بھی تھی جس کی کمان ایک ایسے افسر کے ہاتھ میں تھی جس کا نام امریکی سا تھا۔ وہ کئی ماہ سے وہاں خدمات انجام دے رہا تھا اور جب بھی کوئی بریگیڈ وہاں سے جاتی وہ بس اگلی بریگیڈ کے ساتھ جڑ جاتا۔ وہ عجیب آدمی تھا، مشکوک۔ جب بھی اس سے اس کے پس منظر کے بارے میں پوچھا جاتا، وہ کچھ اور بتاتا اور اگر آپ سوال کرتے تو وہ غصے میں آجاتا۔ یہ واضح نہیں تھا کہ جنگ نے اسے بگاڑ دیا تھا یا وہ پہلے ہی ایسا تھا، مگر وہ کام کروا لیتا تھا، اس لیے کسی نے سوال نہیں کیا۔''

ایک رات ایک فلسطینی چوکی کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

یہودا کہتا ہے: ''ہم دو ہمر گاڑیوں میں نکلے۔ ایک کی کمان میرے پاس تھی اور دوسری اس امریکی افسر کے پاس۔ ہم اس فلسطینی کے پاس پہنچے اور اس نے فوراً ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔ یہ بالکل واضح تھا کہ وہ غیر مسلح تھا۔ افسر اس کے قریب گیا، چند سیکنڈ رکا اور پھر بس فائر کر دیا بغیر سوال کیے، بغیر اس کے کچھ کیے۔ میں صدمے میں تھا۔ پھر ہم چوکی پر واپس آئے اور میں وار روم میں گیا اور چند افسران کے ساتھ ڈرون سے ریکارڈ ہونے والی ویڈیو دیکھی۔''

ایک عمر رسیدہ افسر نے کہا: ''یہ قتل ہے، سراسر قتل، مگر انہوں نے کچھ نہ کرنے کا فیصلہ کیا، بس معاملہ دبا دیا گیا۔ بریگیڈ ہیڈ کوارٹر کو رپورٹ کیا گیا کہ ایک دہشت گرد مارا گیا ہے۔ کوئی باضابطہ جائزہ تک نہیں ہوا۔ وہ افسر یوں خدمات انجام دیتا رہا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو اور میں نے بھی اس سے کچھ نہیں کہا۔ ہماری سروس کے اختتام پر جو عمل ہوا، اس میں بھی کسی نے اس کا ذکر نہ کیا، جیسے یہ کبھی ہوا ہی نہ تھا۔''

دو ماہ بعد یہودا اپنی بیوی کے ساتھ میڈرڈ گیا۔ ایک دن وہ پراڈو میوزیم گئے، اس کی بیوی آرٹ میں ڈاکٹریٹ کی طالبہ ہے، ایک ایسا مضمون جس کے بارے میں یہودا کہتا ہے کہ وہ کچھ نہیں جانتا۔ اچانک وہ خود کو گویا کہ ایک پینٹنگ کے سامنے کھڑا پایا۔

''مجھے خاص دلچسپی نہیں تھی، مگر اچانک میں اس کی ایک ایسی پینٹنگ کے سامنے تھا جس میں ایک بے بس آدمی فوجیوں کے سامنے ہاتھ اٹھائے کھڑا ہے۔''

یہودا کہتا ہے: ''میں پینٹنگ کے قریب گیا اور یہ مجھے بالکل اسی واقعے کی یاد دلانے لگی۔ اس کی آنکھوں کی کیفیت، خوف، دہشت۔ مجھے لگا میں نظریں نہیں ہٹا سکتا۔ مجھے پسینہ آنے لگا۔ یہ ہولناک تھا اور پھر اچانک، کہیں سے بھی، میں رونے لگا۔ میں کبھی نہیں روتا اور مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ میری بیوی نے مجھے دیکھا اور گھبرا گئی۔ اس نے پوچھا: 'کیا ہوا؟ کیا ہوا؟' اور مجھے معلوم نہیں تھا کہ اسے کیا جواب دوں۔ میں ٹوٹ چکا تھا۔ لوگ مجھے دیکھتے ہی جا رہے تھے۔ ذرا سوچیں، میوزیم کے بیچوں بیچ آنسوؤں میں ٹوٹ پڑنے کی وجہ آپ کیسے بیان کریں گے؟''

اس رات یہودا نے اپنی بیوی سے وعدہ کیا کہ اسرائیل واپس جا کر علاج کروائے گا۔

وہ کہتا ہے: ''میں اسے قبول کرنا سیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں، مگر یہ بہت مشکل ہے۔ شرم میرا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ میں ایسا شخص کیسے بن گیا جو کھڑا دیکھتا رہتا ہے اور درست کام نہیں کرتا؟''

تفتیشی کمرے کی یادیں

کچھ فوجیوں کا کہنا ہے کہ ان کے ضمیر کے زخم غزہ میں جنگ کے دوران اختیار کیے گئے طریقوں سے جڑے ہیں، جن میں سے بہت سے پہلے آرٹز نے رپورٹ کیے تھے۔ مثال کے طور پر ناحال بریگیڈ کے کئی نشانہ بازوں نے امداد کے طلبگار فلسطینیوں پر فائر کیا، وہ ایک ایسی فرضی لکیر عبور کر گئے تھے جو فوج نے مقرر کی تھی۔

ان میں سے ایک کہتا ہے: ''جب آپ اسنائپر کی دوربین سے گولی چلاتے ہیں تو سب کچھ بہت قریب محسوس ہوتا ہے، جیسے کمپیوٹر گیم میں۔ آپ ان لوگوں کے چہرے نہیں بھولتے جنہیں آپ نے مارا ہو۔ وہ آپ کے ساتھ رہتے ہیں۔ فوج سے فارغ ہونے کے بعد سے میں رات کو بستر گیلا کر دیتا ہوں۔ مجھے لگتا ہے میں اکیلا چھوڑ دیا گیا ہوں، کہ کوئی میری مدد نہیں کرسکتا۔ میں ایک ماہ اسپتال میں رہا۔ انہوں نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی کہ مجھے اسے قبول کرنا ہوگا، کہ وقت کو واپس نہیں موڑا جاسکتا۔ یہ کہنا ان کے لیے آسان ہے۔ وہ وہ لوگ نہیں جو جب بھی آنکھیں بند کریں تو کسی کو پیشانی میں گولی لگتے دیکھیں۔''

کچھ فوجی کہتے ہیں کہ انہیں ذہنی زخم اس لیے پہنچے کہ انہوں نے فلسطینیوں کو انسانی ڈھال کے طور پر استعمال ہوتے دیکھا یا لوٹ مار اور توڑ پھوڑ دیکھی۔

ان میں سے ایک کہتا ہے: ''ہم فلسطینی گھروں میں داخل ہوتے اور فوجی تباہی سے لطف لیتے۔ میں نے لوگوں کو برقی سامان، سونے کی زنجیریں، نقدی، سب کچھ اٹھاتے دیکھا۔ کچھ کہتے تھے کہ سب عرب نازی ہیں اور نازیوں سے چوری کرنا باعثِ برکت ہے۔ مجھے گھن آتی تھی، مگر میں نے کچھ نہیں کہا۔ خاص طور پر مجھے اس وقت تکلیف ہوتی جب لوگ فلسطینیوں کی تصویروں کو جلا دیتے یا ان پر پیشاب کرتے۔ اس سے کیا فائدہ؟

ایک بار ایک فوجی نے محسوس کیا کہ میں اس سے مطمئن نہیں ہوں تو اس نے کہا: ''تمہیں کیا ہوا ہے؟ وہ اب یہاں واپس آنے والے نہیں، ان کی کہانی ختم ہو چکی ہے۔' میں نے جواب نہیں دیا، بس سر ہلا دیا۔''

پھر یونٹ 504 کی کارروائیاں تھیں، جس کے کاموں میں قیدیوں سے تفتیش بھی شامل ہے۔

ایتان یاد کرتا ہے:

''ہم شمالی غزہ میں کارروائی میں تھے اور ایک گھر میں ایک حماس کارکن پکڑا گیا۔ ہمیں حکم ملا کہ 504 کا تفتیش کار آنے تک ہم اس کی نگرانی کریں۔ وہ ہمیشہ جوڑی میں آتے ہیں ایک تفتیش کار اور ایک لڑاکا سپاہی۔ جب وہ پہنچے تو ہم گھر کے دروازے پر پہرہ دے رہے تھے اور میں پوری پوچھ گچھ سن اور دیکھ سکتا تھا۔''

ایتان کہتا ہے کہ ایک موقع پر تفتیش کار نے قیدی کی پتلون اور زیر جامہ اتار دیے۔

''اس نے دو کیبل ٹائیاں لیں اور ایک اس کے عضوِ تناسل پر اور ایک خصیوں پر باندھ دی۔ اس نے اس سے ایک سوال پوچھا اور جب اس نے جواب نہ دیا تو اس نے کیبل ٹائیاں مزید کس دیں۔ وہ یہ عمل بار بار دہراتے رہے، خوفناک چیخ و پکار تھی۔ وہ کبھی چیخنا بند نہیں کرتا تھا، جیسے اس کی روح اس کے جسم سے نکل رہی ہو۔ آخر کار وہ بول پڑا، سب کچھ اگل دیا اور تفتیش کار نے کیبل ٹائیاں کھول دیں اور اسے ایک ٹرک میں ڈال دیا۔ غالباً وہ اسے حراست میں لے گئے۔''

ایتان کہتا ہے کہ تب سے وہ چیخیں اس کا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔

''اس نے فوج کے بارے میں، ہمارے بارے میں، اپنے بارے میں میرا ہر خیال توڑ دیا۔ اگر ہم ایسی خوفناک چیز کر سکتے ہیں اور شہریوں کو اس کا علم بھی نہ ہو تو پھر تہہ خانوں میں اور کیا ہو رہا ہوگا؟ اور کون سے راز ہیں جو ہم چھپا رہے ہیں؟''

ماہرین کہتے ہیں کہ ایسے نفسیاتی زخم ان لوگوں کو بھی پہنچ سکتے ہیں جو جنگ کو فاصلے سے دیکھ رہے ہوں۔ مثال کے طور پر ران نے غزہ میں ایک دن بھی خدمات انجام نہیں دیں۔ وہ تل ابیب میں دفاعی ہیڈکوارٹر میں فضائیہ کے ایک ریزرو افسر تھے، ایک ایسی یونٹ میں جو فضائی حملوں کی منصوبہ بندی کرتی تھی۔

وہ کہتا ہے: ''7 اکتوبر کے بعد سب کچھ بدل گیا۔ معاون شہری نقصان کے بارے میں میری جتنی سمجھ تھی، سب پھینک دی گئی۔ ہم ایسے حملوں کی منصوبہ بندی کرتے اور منظوری لیتے تھے جن کے بارے میں ہمیں معلوم ہوتا تھا کہ ان میں درجنوں شہری مارے جائیں گے، کبھی اس سے بھی زیادہ اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ میرا کزن نووا میں مارا گیا تھا۔ میں انتقام اور غصے سے اندھا ہو چکا تھا، انہی نے مجھے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ جو کچھ ہوا وہ غیر متناسب تھا۔ جیسے جیسے دن گزرتے گئے، اس کا بوجھ مجھ پر بڑھتا گیا۔ ایک لمحے میں ہم ایسے حملے کی منصوبہ بندی کر رہے ہوتے جس میں بچے مریں گے اور اگلے ہی لمحے ہم ابن گبی رول [تل ابیب کی ایک مرکزی سڑک] پر ہیمبرگر کھا رہے ہوتے۔ یہ ایک ایسا تضاد ہے جسے آپ قابو میں نہیں رکھ سکتے اور مجھے لگتا تھا کہ میرے ماتھے پر کوئی نشان بنتا جا رہا ہے۔''

وہ کہتا ہے کہ بحران کا لمحہ گزشتہ سال 18 مارچ کو آیا، جب اسرائیل نے حماس کے ساتھ جنگ بندی توڑی اور رات بھر فضائی حملے کیے۔ سیکڑوں لوگ مارے گئے، جن میں اکثریت شہریوں کی تھی۔

ران کہتا ہے: ''میں اب اس کا حصہ نہیں رہ سکتا تھا، مجھے لگا کہ اگر میں مزید خدمات انجام دیتا رہا تو میں اپنے اندر بچی ہوئی ہر اچھی چیز، اپنے اس وجود سے غداری کروں گا جو میں بننا چاہتا ہوں۔''

اور وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس رات اتنے زیادہ شہری مارے گئے کہ کئی پائلٹوں نے اپنی ڈیوٹی سے ہٹانے کی درخواست کی۔ فضائیہ نے مان لیا، مگر ان سے کہا کہ اسے خاموش رکھیں۔

ران گھر واپس آ گیا، مگر اپنی ملازمت پر واپس نہ جاسکا۔

وہ کہتا ہے: ''مجھے مردہ اور زخمی فلسطینیوں کی بدترین تصویریں دیکھنے کا جنون سا ہو گیا۔ میں بار بار یہ جوڑنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں کہ آیا اس میں میرا کوئی حصہ تھا، کیا میں ان تصاویر کے لیے ذمہ دار ہوں۔

میرا ماہرِ نفسیات مجھ سے کہتا رہا ہے کہ لگتا ہے میں خود کو اذیت دینے کا انتخاب کر رہا ہوں۔ اس نے مجھ سے کہا کہ یہ بند کرو، مگر میں نہیں کرسکتا۔ مجھے لگتا ہے میں اسی کا مستحق ہوں۔''

اخلاقیات یا شناخت؟

سرکاری طور پر وزارتِ دفاع ''اخلاقی زخم'' کی تشخیص کو تسلیم نہیں کرتی جو ماہرین کے مطابق ابھی امریکی Diagnostic and Statistical Manual of Mental Illness (DSM) میں بھی شامل نہیں ہوئی۔ لہٰذا جو فوجی اخلاقی زخم کا شکار ہو وہ وزارت کے بحالی شعبے سے رجوع کرے گا، ایک طبی کمیٹی سے گزرے گا اور اسے PTSD کا مریض تسلیم کیا جائے گا۔ اگرچہ بعض اوقات یہ دونوں کیفیتیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں، مگر بنیادی طور پر مختلف ہیں۔

غلط تشخیص کا مسئلہ صرف اصطلاحات کا نہیں۔ زالسمن کے مطابق علاج بھی بنیادی طور پر مختلف ہے۔

وہ کہتے ہیں: ''PTSD کا علاج صدمے کے ساتھ بتدریج اور وسیع سامنا کروا کر کیا جاتا ہے تاکہ صدمہ انگیز یادداشت کو جذباتی ردعمل سے الگ کیا جاسکے۔

اخلاقی زخم کے لیے ایسا کام درکار ہوتا ہے جو قبولیت اور اس فعل کے ساتھ صلح پر مرکوز ہو جس نے بحران پیدا کیا۔ دوسرے لفظوں میں انسان کو خود کو معاف کرنا سیکھنا پڑتا ہے۔''

مگر یہ جلد بدل سکتا ہے۔ اکتوبر میں قائم کی گئی عوامی کمیٹی، جو معذور فوجیوں کے علاج کے حل تلاش کر رہی ہے، امکان ہے کہ وہ سفارش کرے گی کہ بحالی کا شعبہ اخلاقی زخم کو تسلیم کرے۔

ایک ذیلی کمیٹی کے مطابق:

''علاج کے پروٹوکول تیار کیے جائیں، معالجین اور بحالی کے عملے کو تربیت دی جائے اور اخلاقی زخم اور روزگار، سماجی کردار اور کمیونٹی میں حصہ داری کے درمیان براہِ راست تعلق پر توجہ دی جائے۔''

فوج نے بھی خاموشی سے اس رجحان کو تسلیم کرنے کا فیصلہ کیا، اگرچہ دیر سے۔ مثال کے طور پر امریکی فوج کے پاس ذہنی زخموں کے علاج کے پروٹوکول برسوں سے موجود ہیں۔ حالیہ مہینوں میں، اور تقریباً پس منظر میں رہتے ہوئے، اسرائیلی ذہنی صحت کے ماہرین ایسے فوجیوں کے لیے ایک ابتدائی مداخلتی پروٹوکول تیار کر رہے ہیں جو اخلاقی زخم کا شکار ہیں۔

آئی ڈی ایف کے ترجمان کے شعبے نے اس مسئلے پر کوئی بیان جاری نہیں کیا اور یہ سارا معاملہ خفیہ رکھا گیا، حالانکہ جنگ کے دوران فوج نے سپاہیوں کی ذہنی صحت کے لیے کئی دوسرے اقدامات کھلے عام کیے تھے۔ آئی ڈی ایف نے اس ذہنی کیفیت کو ''اخلاقی زخم'' کہنے سے بھی انکار کیا اور اس کے بجائے ''شناخت کا زخم'' کی اصطلاح کو ترجیح دی۔ فوج نے اس نام کی تبدیلی کے پیچھے کسی خفیہ مقصد سے انکار کیا۔

مگر ذرائع کچھ اور کہتے ہیں۔ ریزرو میں ایک ذہنی صحت افسر کہتا ہے: ''یہ بالکل واضح ہے کہ یہاں ایک سماجی و سیاسی بیان دیا جا رہا ہے۔ آخر اگر ہم تسلیم کر لیں کہ بہت سے فوجی اخلاقی زخموں کا شکار ہیں، تو پھر 'دنیا کی سب سے اخلاقی فوج' والے کلیشے کے ساتھ یہ کیسے فٹ بیٹھے گا؟ اس لیے انہوں نے ایسی اصطلاح چنی جو ذمہ داری فوجی پر ڈال دے، گویا مسئلہ اس کی شناخت میں ہے، نہ کہ ان اعمال میں جو اس کے رہنماؤں نے اس سے کروائے۔''

فوج کے ذہنی صحت کے نظام کے ایک اور افسر نے کہا کہ یہ فیصلہ ''ایک عبوری حل تلاش کرنے کے لیے تھا تاکہ ان فوجیوں کو علاج دیا جا سکے بغیر سیاست دانوں کو مشتعل کیے۔

میں ایک ایسی میٹنگ میں موجود تھا جہاں ایک سینئر افسر نے کہا: 'ہم انہیں ضمیر کے زخم نہیں کہہ سکتے، کیا ہم چاہتے ہیں کہ چینل 14 ہمیں درخت سے لٹکا دے؟'''

اس افسر نے یہ بات وزیرِ اعظم بنیامین نیتن یاہو کے حامی ٹی وی چینل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہی۔

''فوج میں اس وقت یہی فضا ہے۔''

ضمیر کے زخموں کا براہِ راست سامنا کرنے سے صرف فوج ہی گریز نہیں کر رہی، بہت سے فوجی خود بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ وہ اپنے دوستوں کو اپنے جذبات بتانے سے ڈرتے ہیں، اس خوف سے کہ کہیں انہیں غدار، بائیں بازو والا یا کمزور نہ قرار دے دیا جائے۔

لیوی۔ بیلز کہتے ہیں: ''پہلے PTSD کے ساتھ ایسا ہوتا تھا اور آج ضمیر کے زخم کے ساتھ ہو رہا ہے۔ یہ صرف جونیئر کمانڈر، بریگیڈ کمانڈر یا چیف آف اسٹاف کی سطح کا مسئلہ نہیں بلکہ پورے معاشرے میں موجود ہے۔ حکومت ایک دوٹوک کہانی سنا رہی ہے: یا تو آپ ہمارے ساتھ ہیں یا آپ بائیں بازو کے غدار ہیں اور اس کا سب سے زیادہ اثر نوجوان مردوں پر پڑ رہا ہے۔

ایک فوجی کو یہ فکر ہو سکتی ہے کہ اگر وہ کہے کہ اسے غزہ میں اپنے کیے پر شک ہے تو ٹیم اسے ایسا بیرونی فرد سمجھے گی جسے نکال دینا چاہیے۔ اس فوجی کے لیے یہ سب سے بری چیز ہو سکتی ہے: مکمل رد کیے جانے کا احساس۔ چنانچہ بہت سے معاملات میں وہ بات نہ کرنے اور مدد نہ لینے کو ترجیح دیں گے۔''

مثال کے طور پر گائے اب بھی اپنے جذبات دوسرے فوجیوں کے ساتھ بانٹنے سے انکار کرتا ہے۔ وہ شلداغ اسپیشل فورسز یونٹ میں ہے۔ 7 اکتوبر کے بعد سے وہ سیکڑوں دن ریزرو ڈیوٹی کر چکا ہے۔ درحقیقت اسی ہولناک ہفتے کے دن دوپہر کے وقت بلایا گیا اور کہا گیا کہ بیئری پہنچو۔ وہاں وہ جن چیزوں کو روک نہ سکا وہ اس کا پیچھا کرنے لگیں۔

گائے کہتا ہے: ''میں ایک بھاری الزام اٹھائے ہوئے ہوں اور میرا خیال ہے مجھ جیسے بہت ہیں، مگر انہوں نے بس اس کو کسی اور جگہ موڑ دیا انتقام کی طرف۔ جب بھی ہم کسی مشن پر نکلتے، ان کی آنکھیں چمکنے لگتیں۔ جب سرنگوں میں یونٹ کے استعمال کردہ خاص طریقوں سے تمام دہشت گردوں کے مارے جانے کی بات ہوتی، لوگ پُرجوش ہوتے، جبکہ مجھے ہولوکاسٹ یاد آتا۔ یہ مجھے جھنجھوڑ دیتا تھا، مگر میں خدمات انجام دیتا رہا۔ میں نے سوچا شاید یہ گزر جائے گا۔''

ایک کارروائی غزہ کے الشفا اسپتال میں ہوئی۔

وہ کہتا ہے: ''پورا علاقہ موت کی بو سے بھرا ہوا تھا، لاشوں کی بو سے۔ تب سے میں جلے ہوئے گوشت کی بو برداشت نہیں کر سکتا۔ میں سبزی خور بن گیا ہوں۔ مجھے دراصل وہ لمحہ یاد ہے جب سب کچھ میرے اندر بدل گیا جب اس بو نے مجھے بیئری میں سونگھی ہوئی بو یاد دلائی۔ تب میں نے سوچا ہم کیا بن گئے ہیں؟ میں کیا بن گیا ہوں؟ آج تک میں اس کا جواب دینے سے ڈرتا ہوں۔''

ڈاکٹر اسامہ شفیق۔ مانچسٹر، برطانیہ

19 اپریل 2026

#Palestine#HaaretzIsrael#

براہ راست رپورٹ: ثامر بلل

21 ماہ کے فلسطینی بچے کو صہیونیوں نے تشدد کا نشانہ بنایا

21 ماہ کا فلسطینی بچہ اسرائیلی فوج نے غزہ سے دہشت گرد قرار دے کر گرفتار کیا۔ اسے 10 گھنٹے نظر بند رکھا گیا۔ جب اسے رہا کیا گیا تو اس کے اہل خانہ کو شدید کرب سے گزرنا پڑا۔ اس بچے کے ننھے سے جسم پر سگریٹوں سے جلائے جانے کے نشانات تھے۔ اس کی ٹانگیں، پیٹھ اور کمر پر جگہ جگہ اسرائیلی سفاکی کے نشانات تھے۔ یہ جواد ابو ناصر عمر 21 مارچ کو اس کے والد سمیت پکڑا گیا تھا۔ اس کے والد اسامہ ابو ناصر کو 21 مارچ کو وسطی غزہ سے گرفتار کیا گیا۔ اسامہ کی عمر 25 سال ہے۔

جواد ابو ناصر کے اہل خانہ کا کہنا ہے کہ اسامہ اپنے بیٹے کو لے کر پھل وغیرہ خریدنے صبح 10 بجے بازار گیا تھا۔ عید الفطر آرہی تھی۔ نسل کشی کے دنوں میں اسامہ شدید ذہنی کرب سے گزرا تھا۔ ابھی جواد کی پیدائش نہیں ہوئی تھی۔ اب گرفتاری کے بعد اب تک اسے رہا نہیں کیا گیا۔

اسامہ کے والد کہتے ہیں کہ جب وہ گھر سے نکلا تو، اس نے مشرق کا رخ کیا حالاں کہ اس کا ارادہ مغرب کی سمت جانے کا تھا۔ اسامہ کے والد حسن ابو مبارک ہیں۔ جب وہ مشرق کی سمت گیا تو ایک پڑوسی بھاگتا ہوا آیا اور حسن سے کہا کہ اسامہ نے بچے کو کندھوں پر بٹھا رکھا ہے اور وہ مشرق سمت گیا ہے۔ وہ علاقہ تو خطرے سے خالی نہیں ہے۔ مغازی پناہ گزین کیمپ میں اس کے گھر سے تقریباً 200 میٹر ہی اسامہ گیا تھا۔ اسرائیلی فوج ییلو لائن کے قریب ڈیرے ڈالے ہوئے تھی۔ یہ وہی ییلو لائن ہے جس کے دوسری جانب قابض صہیونی فوج موجود ہے۔ اسی لائن کا مطلب ہے کہ اس کے دوسری جانب اسرائیلی فوج کا قبضہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی غزہ کے اندر کی سمت فلسطینیوں کے لیے لائن کے ساتھ ساتھ ''نو گو ایریا'' قرار دیا گیا ہے۔ کوئی فلسطینی غلطی سے بھی اس نو گو ایریا میں چلے جاتا ہے تو اس پر فائرنگ کر دی جاتی ہے۔

جب حسنی اپنے بیٹے کو اس سمت جانے کے لیے بھاگا تو وہ پہلے اس نو گو ایریا کے قریب جا چکا تھا۔ اسامہ کا گھر نسل کشی کے دنوں میں مکمل تباہ ہو چکا تھا۔ اس ملبے کے ڈھیر نما گھر میں اسامہ اپنے اہل خانہ، اپنی بیوی، والد اور جواد کے ساتھ رہائش پذیر تھا۔ ان دنوں اس کی بیوی حاملہ تھی لیکن حالات کی سختی کی وجہ سے اس کا حمل ضائع ہو گیا تھا۔ اب جواد ہی ان کی آنکھوں کا تارا اور ماں کے دل کی ٹھنڈک تھا۔

جب اسامہ پر اسرائیلی فوج کی نظر پڑی تو لوگوں نے بتایا کہ اس کے اردگرد فائرنگ شروع کر دی گئی حالاں کہ وہ بفرزون یعنی نو گو ایریا سے بھی دور تھا۔

''بیچارہ غریب اسامہ''۔ ایک پڑوسی نے یہ منظر دیکھ کر بے ساختہ کہا۔ اسامہ کو علم نہیں تھا کہ وہ کیا جرم کر رہا ہے، اس لیے وہ جواد کو کندھوں پر بٹھائے چلتا رہا۔ پڑوسیوں کا کہنا ہے کہ اسرائیل کا ایک کواڈ کاپٹر اس کے قریب آیا، تب اس نے اپنے بیٹے کو کندھوں سے اتارا اور فوج کی سمت چل دیا۔ فوج کے حکم پر اس نے اپنا لباس اتار دیا۔ وہ بالکل پرامن تھا۔ اس نے کسی جارحانہ رویے کا اظہار بھی نہیں کیا تھا۔

جب حسنی ابو نصر کو علم ہوا کہ اس کا بیٹا اور جواد گرفتار کر لیے گئے ہیں تو اس نے بھاگم بھاگ الاقصیٰ شہداء ہسپتال کا رخ کیا۔ یہ دیر البلاح کے علاقے میں ہے۔ اس نے ہسپتال والوں کو اپنا نمبر دے دیا اور درخواست کی کہ کوئی بھی اطلاع ملنے پر اس سے فوری رابطہ کیا جائے۔

جب جواد ابو ناصر کو رہا گیا تو اس کے کپڑے خون آلود تھے۔ اس ننھے سے دہشت گرد پر تشدد کیا گیا تھا۔ اسے انٹرنیشنل ریڈ کراس کمیٹی نے اس کے دادا کے حوالے کرتے ہوتے کہا تھا کہ وہ اعتراف کرے کہ اس کا بچہ مل گیا ہے۔

لوگوں نے بتایا کہ بچے کو ریڈ کراس کے حوالے کرنے کا منظر یوں تھا کہ اسرائیلی فوجی اسے لیے مغازی کیمپ تک آئے تھے۔ اس کو حسنی نے ایک کمبل میں لپیٹ لیا۔ گھر پہنچ کر جب کمبل کو کھولا گیا تو اس کے ٹراؤزر کے اندر سگریٹ سے جلائے جانے کے نشانات جگہ جگہ تھے۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ خون اس کے جسم کے کس حصے سے آرہا ہے، انہیں ریڈ کراس کی خاتون نے بتایا کہ بچے کے کندھے سے ابھی تک خون ٹپک رہا ہے۔

کمیٹی نے اس بات کی تصدیق کی کہ بچہ انہوں نے فوج سے حاصل کیا ہے، لیکن وہ بچے کو پہنچنے والے نفسیاتی اور جسمانی تشدد پر کوئی تبصرہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ اس طرح ان کے کام میں رکاوٹ آتی ہے۔

انہوں نے فقط اتنا بتایا کہ ان کی ٹیمیں اسرائیلی فوج سے رابطے میں رہتی ہیں۔ تب 19 جون کا دن تھا۔ کمیٹی کی ایک ٹیم دیر البلاح میں موجود تھی۔ اسے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ ہوا ہے۔ ٹیم کسوفیم کراسنگ گئی، جب بچے کو ان کی گاڑی میں ڈالا گیا تا کہ اسے اس کی ماں کے حوالے وسطی غزہ میں کیا جائے تو ٹیم کو سخت ہدایات دی گئیں۔ تشدد کے نشانات: جب جواد کو گھر لایا گیا تو اہل خانہ اس سے پوچھتے رہے کہ بیٹا کیا ہوا ہے، وہ صرف ماں، ماں پکارتا رہا۔ یا وہ جسم کے مختلف حصوں پر انگلی سے بتاتا رہا۔ ''خون، ماں، خون''

جب جواد سے دریافت کرنے کی کوشش کی گئی کہ تمہارے بابا کہاں ہیں، اس نے صرف یہ کہا۔ ''چلے گئے، چلے گئے۔'' اس کی ماں نے جواد کو سینے سے لگایا تو وہ چیختا چلاتا رہا۔ وہ مسلسل اپنی ماں سے چمٹا رہا۔ ماں نے اس کے خون آلود کپڑے بہ مشکل اتارے تو جسم پر تشدد کے نشان ان سب کے سامنے آئے۔ اس کی ٹانگوں پر جگہ جگہ سگریٹ سے جلائے جانے کے گہرے نشان تھے۔ یوں لگتا تھا کہ جو نشان بھرنے لگتا ہوگا۔ اسے ناخن یا چھری سے دوبارہ ہرا کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس کے زخموں کے گرد چھری کی نوک کے نشانات تھے۔

بچہ اس ساری رات درد سے چیختا اور خوف کے مارے چلاتا رہا۔ اسے اس کی ماں اور دوسرے اقرباء ہسپتال لے گئے ہے یہ عید کا پہلا دن تھا۔ ابھی تک اسامہ کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ جواد کے زخموں کو دیکھ کر دو ڈاکٹروں نے تصدیق کی کہ سگریٹ سے بچے کو بار بار جلایا گیا تھا۔ ہسپتال میں بچے کی تصویریں لی گئیں۔ میڈیکل رپورٹ میں بتایا گیا کہ بچے کا گھٹنہ اور ٹخنہ دونوں سوجے ہوئے تھے۔

اسامہ کے والد حسنی کا کہنا ہے کہ اس سے کچھ اگلوانے کے لیے اس کے بچے پر تشدد کیا گیا ہوگا۔ جب کوئی نتیجہ انہیں نہ مل سکا تو بچے کو چھوڑ دیا گیا۔ اسرائیلی فوج کے ترجمان نے بچے پر تشدد سے یکسر انکار کر دیا۔ اس نے ان امور کو حماس کا پروپیگنڈا قرار دے کر مسترد کر دیا۔ اس پر مستزاد ترجمان نے کہا کہ بچے کو اسامہ اس لیے ساتھ لے گیا ہوگا تا کہ اسے فوج کے خلاف انسانی ڈھال کے طور پر استعمال کرے اور فوج پر حملہ کر دے۔

خصوصی رپورٹ: ابوالعین

فلسطینی نسل کشی کے کچھ غیر محسوس کردار

دنیا میں آج انسانی حقوق پر ایک نگاہ ڈالی جائے تو اس نتیجے پر پہنچنا قطعی مشکل نہیں کہ غزہ میں نسل کشی Genocide کرنے والوں نے ان حقوق کا بالکل خیال نہیں رکھا۔ انہیں منظر سے ہی یکسر الگ کر کے گویا پھینک ہی دیا گیا تھا۔ کسی نے اس نسل کشی میں سرعام حصہ لیا، کسی نے محض پشت پر رہ کر کام میں مدد دی، اسلحہ دیا، تیل دیا، ٹینک اور توپ خانہ دیا۔ اور تو اور دنیا بھر میں انسانیت کی خدمت کا دعویٰ کرنے والے مائیکرو سافٹ کے مالک نے کمپیوٹر ٹیکنالوجی سے ایسی مدد فراہم کی جو جہازوں اور ٹینکوں سے زیادہ مہلک ثابت ہوئی۔ البتہ یہ حقیقت اب ظاہر ہوتی نظر آتی ہے کہ بے شمار کردار ایسے تھے جن کا باقاعدہ جنگ میں کوئی کردار نہیں تھا، ان میں بینکرز، بیوروکریٹس اور ان کی طرح کے دیگر کردار شامل تھے۔ یہ وہ کردار جو اربوں ڈالرز میں کھیلتے رہے اور ہزاروں کی تعداد میں فلسطینی مارتے رہے۔ یہ لوگ اس قدر سفاک تھے جو ننھے بچوں کو ذبح ہوتے دیکھتے رہے اور کچھ نہ بولے۔

بہت اہم عہدوں پر براجمان پالیسیاں بنانے والے، پراسیس طے کرنے والے، مشینی ٹیکنالوجی بنا کر آزمانے والے، ٹیکنالوجی اور ڈیجیٹل جنگ کے طریقے متعارف کرنے والے اور مصنوعی ذہانت (AI) کے ماہرین سب شامل تھے۔ ان کرداروں نے وہ جنگی ساز و سامان تیار کیا جو غزہ کی قتل گاہ اور نسل کشی میں آزمائے گئے۔ انہوں نے معصوموں کے سر تن سے جدا کیے۔

مثال کے طور پر اسرائیل کی قابض افواج کے فوجیوں کو تربیت دی گئی کہ انہوں نے مارے جانے والے لوگوں کے گھروں پر کس زاویے سے بمباری کرنا ہے جس سے تباہی اور انسانی زندگی کے خاتمے کے نئے انداز سامنے آتے رہے۔ ڈرونز تیار اور استعمال کرنے والے چن چن کر قابل اور صاحبان علم کو قتل کرتے رہے۔ وہ انہی فلسطینی گھروں میں جدید ٹیکنالوجی لے کر ان ڈرونز، جنگی کتوں اور ہیلی کاپٹروں کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے رہے۔

ان افسروں اور فوجیوں کے پیچھے اور در پردہ ایسے کردار تھے جو لیڈروں، حکام، بیورو کریٹس، پالیسی سازوں اور پروسیجرز پر عمل کرانے والوں کی ''شہرت'' رکھتے تھے۔ یہ جنگی جہازوں کے استعمال کی تربیت دینے والے، اسلحہ استعمال کے طریقے سکھانے والے اور سافٹ وئیرز تیار کرنے اور ان کے آپریشنل انداز بتانے والے تھے۔

یہ ایسے بابو تھے جو بہ ظاہر تھری پیس میں ملبوث تھے۔ یہ اے سی کمروں میں تھے اور ان کی ہدایات پر عمل کرتے فوجی اور سیاسی راہ نما تھے۔ معاشی مدد کرنے والے۔ پروپیگنڈہ کے ماہرین اور سلکی سوٹ زیب تن کیے نسل کشی کے جدید طریقوں کے ماہرین تھے۔ ان میں وہ کردار بھی تھے جو وقت گزرنے کے ساتھ سامنے آتے جائیں گے اور ان افراد کو تلاش کرتے تھے، کمپیوٹر سے ان کی نشان دہی کرتے تھے جن کو ایک دوسری فوج کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا۔ اس کام کے لیے تل ابیب یونیورسٹی نے جدید ٹیکنالوجی میں نسل کشی کے لیے جدت متعارف کرائی۔ ان کرداروں کو 2023ء سے 2026ء کے آخر تک مختلف ٹاسک دیے جاتے رہے۔

خفیہ تباہ کار:

جدید نسل کشی پورے نظام کے طور پر کام کرتی ہے۔ اس میں ذمہ داریوں اور اس کے اہل

افراد کی پوری ٹیم تیار کی جاتی ہے۔ ان سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ یہ کسی ایک انسان کو جان سے محروم بھی کر سکتے ہیں۔ یہی افراد لاتعداد انسانوں کو مارنے کا کام کرتے رہے۔ اس میں وہ لوگ شامل تھے جو تل ابیب یونیورسٹی کے تحقیقی شعبہ جات کے ماہرین، اساتذہ اور طلبہ تھے۔ یہ لوگ نئی سے نئی ٹیکنالوجی تیار کرنے والے اور ایسے امور طے کرنے والے لوگ تھے جو نسل کشی کس طرح کی جائے، اس کی تربیت دیتے رہے۔

انہیں خودمختار فنڈنگ اداروں سے خصوصی فنڈز دیے گئے۔ سوشل سیکیورٹی کے اداروں سے ملٹری صنعت میں ماہرین منتقل کیے گئے جو اسرائیلی قبضے کو مؤثر بنانے کے امور طے کرتے رہے اور اب یہی تجربہ مغربی کنارے اور بیت المقدس میں استعمال کیا جارہا ہے۔

اس بات پر بھی غور کیا گیا کہ غزہ کو ایٹمی حملے میں ہی اڑا دیا جائے۔ اس کے لیے ایک ٹیم کے ذمے یہ ٹاسک لگایا گیا کہ وہ ہیروشیما اور ناگاساکی میں ایٹمی حملوں کا جواز، استعمال اور نتائج پر غور کرے، ان حملوں کے مضمرات کا جائزہ لے، امریکی نفسیات پر اس کے اثرات پر رپورٹس تیار کرے۔ یہ ایسی سرگرمیاں تھیں جن کا سن کر خود وہ لوگ بھی سر پکڑ کر بیٹھ گئے جن کے سوچنے کی، ضمیر کی موہوم آوازیں سننے کی صلاحیت باقی تھی، اس بات پر بھی غور کیا گیا کہ جاپان کے تعاون سے ہیروشیما اور ناگاساکی کا فضائی سروے کیا جائے اور غزہ پر اس کے اثرات کا ممکنہ مطالعہ کیا جائے۔ جس نے جاپان کے شہروں پر ایٹمی حملے کا منصوبہ تیار کیا، اس ٹیم کو معلوم ہوا کہ اس نے دوبار خودکشی کرنے کی کوشش کی اور اسے ہسپتال داخل کرانا پڑا۔ اس نے بقیہ زندگی سخت پہرے میں گزاری۔

سہولت کاروں کے درجے:

اسرائیل کے اقدامات، فلسطینیوں کے قتل عام اور ان پر مختلف تجربات کرانے والوں کی ایک تعداد مغربی ممالک میں موجود تھی۔ انہوں نے حکومتوں، وزارتوں، ضلعی انتظامیہ کے عہدوں، بیوروکریسی کے ذمہ داروں، انفارمیشن ٹیکنالوجی کے اداروں سے خود کو الگ کرلیا۔ کچھ ایسے تھے جنہوں نے اس کام میں شامل ہونے سے یکسر انکار کردیا۔

کچھ مطلوبہ کردار سے بھی آگے بڑھے۔ جب انہوں نے نسل کشی میں کردار ادا کرنے کے لیے خود کو دستیاب ہونے کا عندیہ دیا، انہوں نے اس کے لیے بہت بھاری معاوضے طلب کیے۔ انہی میں ایک نام امریکی فضائیہ کے افسر ارون پوشنل کا بھی ہے۔ وہ فروری 2024ء میں واشنگٹن ڈی سی میں اسرائیل کے سفارت خانے گیا اور اپنے جسم کو آگ کے حوالے کردیا۔ اس نے مرنے سے پہلے کہا: ''میں اب مزید نسل کشی کا حصہ بن کے زندہ نہیں رہ سکتا۔'' اس نے مرتے ہوئے ''آزاد فلسطین'' کے نعرے لگائے۔ اس کے پورے جسم کو جلنے دیا گیا اور کوئی اس کی مدد کو آگے نہ آیا۔

اس 25 سالہ فضائیہ کے افسر نے کہا کہ براہ راست نسل کشی سے فلسطینیوں کے قتل عام میں سہولت کار کا کردار ایک جرم تھا۔ اس جرم کا مشاہدہ ساری دنیا کررہی ہے۔ اس کے خود کو جلانے کے کام کو سہولت کاری میں کردار کا نتیجہ قرار دیا گیا۔

یہ بہت اہم ہے کہ جن افراد اور کرداروں نے نسل کشی کے عمل میں کسی بھی درجے میں کوئی بھی کردار ادا کیا، ان کا مکمل پتہ چلایا جائے، یہ سب کے سب انسانیت کے مجرم ہیں۔ ان تمام لوگوں کا سامنے لایا جانا ضروری ہے جو فوج کو براہ راست خدمات فراہم کرتے رہے، لوجسٹیکل سپورٹ دیتے رہے، سیاسی، سفارتی، معاشی اور ابلاغی امداد اور خدمات برائے سہولت کاری فراہم کرتے رہے۔ ان کرداروں کا بھی پتہ چلانا بہت ضروری ہے جن کو شہری زندگی برباد کرنے پر جواب دہ ٹھہرانا ضروری ہے۔ جن افراد نے ایسی فوج میں شمولیت اختیار کی جس نے نسل کشی کا گھناؤنا جرم کیا، اس سے مفادات حاصل کیے۔ ان میں کمپنیاں، کارپوریشنز، فیکٹریاں اور مفادات پانے والی دیگر کارپوریشنیں شامل ہیں۔

اقوام متحدہ کی فلسطین کے لیے خصوصی نمائندہ فرانسسکا البانیز کی ایک رپورٹ بھی موجود ہے۔ یہ رپورٹ جولائی 2025ء میں جاری کی گئی۔ اس رپورٹ میں 60 سے زیادہ امریکی اور یورپی سمیت دیگر کمپنیوں کا ذکر ہے جو مبینہ طور پر نسل پرستی سے وابستہ تھیں۔ انہوں نے نسل پرستی میں سہولت کاری کا کام کیا۔ انہوں نے غزہ میں انسانیت کو شرما دینے والے مظالم، ان کی پردہ پوشی اور دلائل تیار کیے کہ جیسے اسرائیل نے کوئی جرم ہی نہیں کیا۔

خاموشی اور قوت:

یہ امر بھی ضرور ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ وہ کون تھے جو سب جانتے ہوئے بھی کوئی اقدام نہ کرسکے یا کرنا ہی نہیں چاہتے تھے جن سے نسل کشی رک سکتی یا روکی جاسکتی۔

ان کیمپوں کی فہرست میں ان سہولت کاروں کا ذکر موجود ہے۔ ان تمام مبصرین کا تذکرہ بھی موجود ہے جن کو دولت دے کر خریدا گیا تاکہ وہ اپنے دلائل دے کر دنیا کو قائل کرتے رہیں کہ کچھ نہیں ہوا اور جو کچھ ہوا ہے یا ہورہا ہے، وہ تو معمول کی بات ہے۔ اس طرح ان کو حقیقت دکھانے سے روک دیا گیا۔ ان سے کہا گیا کہ وہ جن پروگراموں کے میزبان ہیں، ان کے موضوعات میں غزہ کو شامل نہ کریں۔ دوسری صورت میں ان کے پروگرام بند کردیے جائیں گے۔

ان کی خاموشی اس نسل پرستی کی سہولت کار بن گئی۔ اس طرح اسرائیل کے انسانیت کو شرما دینے والے مظالم بلاروک ٹوک جاری رکھنے اور فلسطینیوں کی نسلیں برباد کرنے کا موقع دیا گیا۔ اس حوالے سے ''خاموشی قتل کرتی ہے'' درست ثابت ہوا۔ جو ممالک اور لوگ کم سے کم اقدام کرنے میں بھی ناکام رہے اور اس فلسطینی نسل کشی کو اختیار رکھنے کے باوجود رکوانے میں کوئی بھی کردار ادا نہ کرسکے، انہیں اس بات کا کریڈٹ دیا جانا ضروری ہے کہ انسان کو مارنے یا مروانے میں ان کا کوئی ثانی نہیں ہے۔

یہ بات ہر کسی پر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اسرائیل کے مظالم اور نسل پرستی پر کوئی سزا تجویز بھی نہیں کی۔ یورپی یونین کی بیوروکریسی نے دو سال اسرائیل کے بارے میں ایک مذمتی بیان بھی جاری نہیں کیا۔ اس سے بار بار حقوق انسانی تنظیموں نے مطالبہ کیا کہ اسرائیل پر اسلحہ کی اور معاشی پابندیاں لگائی جائیں۔ اسرائیل جس نوعیت کی شاہانہ رعایتیں عرصۂ دراز سے حاصل کررہا ہے اور ان کا کوئی جواز بھی نہیں ہے، وہ ہی ختم کردی جائیں۔ یورپی یونین اور اسرائیل معاہدہ ختم یا معطل ہی کردیا جائے۔

لیکن ہر اعتبار سے اسرائیل کے خلاف کوئی اقدام بھی کیا ہی نہیں گیا۔ کئی مطالبات پر یکسر انکار کردیا گیا، نسل پرستی تسلیم کرنے کے حوالے سے بھی منع کردیا گیا۔ الٹا حماس کو دہشت گرد قرار دینے پر زور دیا جاتا رہا۔ اس طرح یورپی اور مغربی حکومتوں سے کوئی بھی اقدام کرنے پر زور دیا جاتا رہا۔ مغرب نے کسی بھی درجے میں یہ تک تسلیم کرنے سے انکار کردیا کہ ان کی کسی بھی نوعیت کی ذمہ داری بھی بنتی ہے۔ اس طرح اسرائیل کو کھلا میدان دیا گیا کہ وہ جو چاہے، وہ کرے۔

غزہ میں فلسطینیوں کی نسل کشی مسلسل مہ و سال کسی بھی صورت میں جاری نہ رہتی اگر یورپ و امریکہ کے لوگ اور ادارے اس کا نوٹس لے لیتے اور اسرائیل پر دباؤ ڈالتے۔ ان سب نے مل کر اس سنگین صورت حال کی حمایت کی، اسے اسرائیل کے لیے آسان بنایا، غزہ میں اقوام متحدہ کے اپنے اداروں کے فنڈز معطل کردیے اور اس قبیح اقدام کے سہولت کار بنے۔

خصوصی رپورٹ: عبدالقیوم فہمید

قابض اسرائیل کی فرعون سے محبت

معصوم بچوں کے خون سے لکھی گئی ایک بھیانک تاریخ

غزہ سے لبنان تک، شام سے ایران تک معصوم بچوں کے خون ناحق سے تسکین حاصل کرنے والے صہیونیوں کی لہو کی پیاس کب ختم ہوگی؟

غزہ کی پٹی پر مسلط کی گئی قابض اسرائیل کی سفاکانہ جنگ میں ہزاروں فلسطینی بچوں کا بہتا ہوا خون زمین کی پکار بن چکا ہے، لیکن اس انسانیت سوز درندگی کی گہرائی میں ایک ایسی ذہنیت کارفرما ہے جو اب پردہ سیمیں سے باہر آ رہی ہے۔

ایک عبرانی زبان میں لکھی گئی تحریر، جسے سوشل میڈیا پلیٹ فارم ایکس پر شیئر کیا گیا اور بعد ازاں حذف کر دیا گیا، ان خوفناک الفاظ پر مبنی تھی:

''ایران کے خلاف جنگ میں اسی نقطہ نظر کو اپنانا چاہیے جس کا ذکر تورات میں پہلوٹھی کے بیٹوں کے قتل کے حوالے سے ملتا ہے۔ اگر اعلیٰ حکام تک رسائی ناممکن ہو تو بچوں کو نشانہ بنایا جائے۔''

یہ تحریر ایک اسرائیلی ماہرِ تعلیم اور تل ابیب یونیورسٹی کے انسٹی ٹیوٹ فار نیشنل سکیورٹی اسٹڈیز کی رکن اوریت پیرلوف کی ہے، جو اس اخلاقی اور مذہبی پستی کا عکاس ہے جہاں تک یہ جنگ پہنچ چکی ہے۔

ترک دانشور توران کشلا کجی نے اس تحریر کو نقل کرتے ہوئے انتہائی دردناک تبصرہ کیا:

''پیرلوف کا ماننا ہے کہ ایران کے خلاف جنگ میں ایک سخت گیر مذہبی طریقہ کار اپناتے ہوئے ایرانی بچوں کو اسی طرح بے دردی سے قتل کیا جانا چاہیے جیسے تورات میں بیان کردہ پہلوٹھی کے بیٹوں کے قتل کی آفت تھی۔ درحقیقت، یہی وہ خونی ماڈل ہے جو پہلے غزہ میں آزمایا گیا، جہاں اقوام متحدہ کے اعداد و شمار کے مطابق 14 ہزار سے زائد معصوم بچے شہید کیے گئے اور اب اسی فرعونیت کو ایران اور لبنان کی سرزمین پر دہرانے کی زہریلی تجویز دی جا رہی ہے۔''

اگرچہ ایسی گفتگو کی سنجیدگی پر اکثر بحث ہوتی ہے، لیکن ایک ایسا بیان ہی ان کے اندر چھپی اس فاسد ذہنیت کو بے نقاب کرنے کے لیے کافی ہے جو قتلِ عام اور بچوں کے ذبح کو ایک ''مقدس'' فریضہ سمجھتی ہے۔ یہاں مسئلہ صرف کسی ماہرِ تعلیم کے جذباتی غصے کا نہیں، بلکہ یہ ایک سوچی سمجھی منصوبہ بندی ہے، ایک ایسا فلسفۂ قتل ہے جو اپنے کرتوتوں کو جواز فراہم

کرنے کے لیے تاریخی قصوں کو توڑ مروڑ کر پیش کرتا ہے۔

قابض اسرائیل اور امریکہ نے ایران پر اپنے حملوں کا آغاز 168 بچیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر کیا، مگر ان کے قتل پر ندامت کا ایک لفظ تک نہیں سنا گیا۔ وہی بچیاں جو کبھی افغانستان میں سکول نہ جانے کے نام پر عالمی ہمدردی کا مرکز بنتی تھیں، آج اسرائیلی بمباری میں لوتھڑے بن کر بکھر گئیں تو دنیا نے اپنی آنکھیں اور ضمیر دونوں بند کر لیے۔

ان مذہبی بیانات کا طوفان غزہ میں جاری نسل کشی کے ہر واقعے کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ یہ خطابات ہمیں ایک ایسے مقام پر لے آئے ہیں جہاں مذہبی نصوص کا استعمال تاریخی یا اخلاقی سبق کے لیے نہیں بلکہ ''قتل کے رہنما اصول'' بنانے کے لیے کیا جا رہا ہے۔

آج متن کو سمجھنے کے لیے نہیں پڑھا جاتا، بلکہ اسے اپنے مظالم کو مذہبی سند دینے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں تاویل اور حکمت عملی کا فرق ختم ہو چکا ہے۔ یاد رکھیے، تاریخ میں فرعون کے ہاتھوں بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل کی داستان اس لیے نہیں تھی کہ اسے نمونہ بنایا جائے، بلکہ وہ ایک ایسی تنبیہ تھی جو ظالم کو اس کے انجام سے خبردار کرتی تھی۔

مگر جدید مغربی تہذیب نے اس عبرت کو ایک سفاک حکمت عملی میں بدل دیا ہے۔ یہ تبدیلی محض متن کے ساتھ بگاڑ نہیں، بلکہ انسانی اخلاقیات کے انحطاط کی انتہا ہے۔ توقع تو یہ تھی کہ مظلومیت کا احساس ایک عالمی اخلاقی آواز بن کر ابھرتا، مگر یہ ایک ایسی تنگ نظر شناخت کی سیاست میں بدل گیا جہاں ''دوسرے'' کے لیے اخلاقی ذمہ داری کا کوئی تصور باقی نہیں رہا۔ یہی صہیونی عنصر سہ کا اصل چہرہ ہے۔

ہم اس جواز کو کبھی تسلیم نہیں کر سکتے کہ ''سب ایسا ہی کرتے ہیں۔'' ہم ایسا کبھی نہیں کریں گے۔ اسلام کا تو نظریہ ہی یہ ہے کہ جنگ کے دوران بھی ہمارا مقصد بھٹکے ہوئے لوگوں کو ہدایت دینا اور دشمنوں کو بھائی بنانا ہے، نہ کہ ان کی نسل کشی کرنا۔ یہ ہمارا وہ فرق ہے جو ہمیں انسان بناتا ہے۔

بنی اسرائیل کے بیٹے اور تاریخ کا عبرتناک عکس

فرعون کا بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرنا محض ایک سکیورٹی پالیسی نہ تھی، بلکہ وہ ایک پوری قوم کی نسل ختم کرنے کا وجودی حملہ تھا۔ اس نے خطرہ ان بچوں میں دیکھا جو ابھی پیدا ہوئے تھے، اس ڈر سے کہ وہ بڑے ہو کر اس کے تخت کو ہلا دیں گے۔ مگر قدرت کا فیصلہ دیکھیے! اسی فرعون نے اپنی ہی آغوش میں اس موسیٰ علیہ السلام کو پالا جو اس کے زوال کا سبب بنے۔ ظلم ہمیشہ اپنے ہی مدِ مقابل کو جنم دیتا ہے۔

آج کی سب سے بڑی ستم ظریفی یہ ہے کہ جو قوم فرعون کے ظلم کو سہنے کے بعد تاریخ میں ابھری، آج خود فرعونی ہتھکنڈوں کی علمبردار بن چکی ہے۔

یادداشت: مظلوم سے ظالم تک کا سفر

یہ تبدیلی محض ایک تضاد نہیں، بلکہ یادداشت کا ایک خوفناک کھیل ہے۔ یادداشت اگر اخلاقی تنبیہ نہ رہے اور اسے ''استحقاق کا دعویٰ'' بنا دیا جائے، تو یہ تشدد کا سب سے بڑا ذریعہ بن جاتی ہے۔ غزہ میں دسیوں ہزار بچوں کی شہادتیں، ایران اور لبنان کے سویلین علاقوں پر حملے الگ تھلگ واقعات نہیں، بلکہ یہ سب ایک ہی فرعونی منطق کا اظہار ہیں: ''خطرہ پیدا ہونے سے پہلے ہی مستقبل کو تباہ کر دو۔''

آج کا قابض اسرائیل ثابت کر رہا ہے کہ غزہ میں بچوں کی لاشوں کے ڈھیر، ہسپتالوں اور سکولوں کی بربادی محض ایک جنگی حادثہ نہیں، بلکہ یہ ان کے عقائد کی عملی تفسیر ہے۔

علی عزت بیگووچ کا وہ سنہری قول آج ہمیں پھر یاد آ رہا ہے کہ ''دشمن کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا محض ایک اخلاقی ہار نہیں، بلکہ ایک وجودی تبدیلی ہے۔'' جب آپ دشمن کی طرح سوچنا اور عمل کرنا شروع کر دیتے ہیں، تو آپ اپنی اصل شناخت کھو دیتے ہیں۔

آج غزہ اور ایران میں بچوں کی موت کا ایک اعداد و شمار میں بدل جانا یہ بتاتا ہے کہ یہ برائی کس قدر عام ہو چکی ہے۔ عادت تشدد کی سب سے مہلک شکل ہے، کیونکہ ایک خاص حد کے بعد یہ ایک خودکار مشین کی طرح کام کرنا شروع کر دیتی ہے جہاں ضمیر نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔

کیا واقعی یہ سب کچھ محض ایک کھیل ہے؟ یا ہر معصوم بچے کی موت ایک ایسی تاریک تسکین کا باعث بنتی ہے جس کی بھوک فرعونیوں کی رگوں میں دوڑ رہی ہے؟۔

میڈیا واچ: ابوالعین

غزہ کا تورا بورا بنانے والے اسرائیل میں کیا سوچتے ہیں؟

اسرائیل نے گزشتہ اکتوبر میں حماس کے ساتھ جنگ بندی کے ٹرمپ منصوبے کو قبول کرنے کا رسمی اعلان کیا تھا۔ اس کے بعد سمندر پار سے جائیداد کی خرید و فروخت کرنے والے بڑے بڑے ڈویلپرز اور بروکر سرگرم ہو گئے تھے۔ زمین کے قطعات کی قیمتیں مقرر کی جانے لگی تھیں۔ یروشلم کیپیٹل ریئل اسٹیٹ ایجنسی کے بن لیوینی نے صحافیوں سے کہا تھا کہ اب ہمارے فون پیہم بجنے لگے ہیں۔ یہ سلسلہ جنگ بندی کے ایک ہفتے بعد ہی شروع ہو گیا تھا۔ جنگ کے دوران بھی بیت المقدس میں طلب اور قیمت دونوں اوپر جا رہی تھیں۔ جنگ بندی کے بعد لیوینی کے بقول معاملات میں خاصی تیزی آ گئی تھی۔ تل ابیب میں بھی جائیداد کی خرید و فروخت کا کاروبار تیز ہو گیا تھا۔ پیلا یاف گروپ ایجنسی کے بانی شائے ایلے یاف کا کہنا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ گزشتہ چند برسوں سے سرمایہ کار، بروکر اور ڈیلرز کا عالم یہ تھا کہ وہ اس انتظار میں تھے کہ غزہ میں بڑی اور ہولناک جنگ ہو، تباہی کا راج ہو اور وہ کاروبار کے لیے باؤنڈری لائن پر بیٹھے رہنے کے بجائے عملی طور پر کاروبار میں کود جائیں۔ اس سلسلے میں امریکہ اور فرانس سے زیادہ گرم جوشی دیکھنے میں آ رہی تھی۔

اسرائیل اس انتظار میں تھا کہ جنگ بندی اس کے طے شدہ اہداف کے مطابق ہو جائے، تاکہ وہ غزہ میں مزید داخل ہو سکیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ سمندر پار سے بالخصوص صہیونی گروہ زیادہ سے زیادہ زمین اپنے قبضے میں کرنا چاہتے تھے۔ ان کے خیال میں وقت آ گیا تھا۔ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ وقت کے ساتھ ساتھ زمین کی قیمتوں میں بہت زیادہ اضافہ ہوتا جائے گا۔

مشرق وسطیٰ میں پھیلے ہوئے بالخصوص غزہ میں اچھے گھروں کی خواہش مند تھے۔ اس کی کئی وجوہات تھیں۔ ان میں وہ اپنے گھر کے پاس ہی صہیونیت کو نظریاتی طور پر پریکٹس کر سکتے تھے۔ ان کو یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ اسرائیل نے جس بے دردی سے فلسطینیوں کی نسل کشی کی تھی، اس نے دنیا بھر میں یہود دشمنی (Anti-Semitism) کی لہر گہری کر دی تھی۔

نیویارک سٹی میں مظاہرے کے دوران ممدانی نے اپنے سپیکر کی انتخابی مہم میں اسرائیل کی مخالفت، بین یاہیمر کی گرفتاریاں اور فلسطینیوں کی نسل کشی کو بہت حد تک موضوع بنایا تھا۔ اس کے لیے انہوں نے نہایت جارحانہ انداز اپنایا تھا۔ ان کی مہم نے بھی نیویارک کے یہودیوں کو سخت خوفزدہ کر دیا تھا۔ وہ کھلے عام یہودیوں کے بجائے صہیونیت کی شدید مخالفت کر رہے تھے۔ وہ یہود دشمنی اور ان کے بجائے صہیونیوں سے بھی نفرت کا اظہار کر رہے تھے۔ ان کی کامیابی نے یہودیوں کو یہ پیغام بھی بڑی کامیابی سے دے دیا تھا کہ نیویارک سٹی میں یہودیوں کا آرام سے رہنا ممکن نہیں ہوگا۔

لیوینی کا ماننا ہے کہ میں لوگوں سے کہتا رہا کہ وہ نیویارک سے نکلنے کی جلدی کریں، اس میں ان کا کاروباری مفاد بھی تھا۔ یہودی کہتے تھے کہ وہ اس بات پر غور کر رہے ہیں۔ تاہم ان کے پیش نظر ایک آپشن ضرور تھا۔ لیوینی کو معلوم تھا کہ سعودی کاروبار میں کسی اضافے سے ان کے لیے اور ان کی ایجنسی کے لیے بہت فائدہ مند رہے گا۔ جب خریدی گئی زمین وہ فروخت کریں گے تو اسے دگنے تگنے داموں میں ملے گی۔

یہودیوں کے علاوہ دوسرے طبقات سوچ رہے تھے کہ وہ غزہ کی مارکیٹ میں اس وقت سرمایہ کاری پر غور کریں گے جب یہ جنگ کے بعد تیزی سے کارکردگی دکھانے لگے گی۔ آئی ایل جی سرمایہ کاری ہاؤس کے ایلٹن کینز اور ڈیوینچ کبھی اسی انتظار میں تھے۔ ان کا کہنا تھا:

''ہم نے بہت سے افراد سے مشاورت کی ہے اور کر بھی رہے ہیں۔ ابھی یہ ظاہر تصور تھا کہ اسرائیل علاقائی سطح پر ایک ایسے دور میں داخل ہو رہا ہے جس میں اس کی قوت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ان کے بہت سے حلقے سوچ رہے تھے کہ ان کا مستقبل اب اسرائیل سے ہی وابستہ ہے۔ ان کے لیے منصوبہ بندی کا یہی سنہرا موقع ہے۔ اگر ڈیلر اندر ہوتا ہے تو طلب میں خود بخود خاصا اضافہ ہوگا۔ ڈالر کمزور ہو سکتا ہے۔ لیکن سمندر پار سرمایہ کاروں کا کہنا تھا کہ اس وقت بھی ڈالر میں یہ سرمایہ کاری کے لیے مہنگا تھا، اس وجہ سے سرمایہ کاروں کے لیے مشکلات برقرار تھیں۔''

داخلی طلب میں سرد مہری: اسرائیل کے داخلی سرمایہ کاروں کا کہنا تھا کہ مارکیٹ ابھی بھی ان کے موافق نہیں ہے۔ اکتوبر تک سرکاری اعداد و شمار بھی ان کو دستیاب نہیں تھے۔ مارکیٹ ظاہر کر رہی تھی کہ قیمتوں میں کمی کا رجحان برقرار رہے گا۔ اسرائیل کے اندر کے خریدار غزہ جانے کے لیے کسی قیمت پر تیار نہیں تھے۔ قیمتیں ان کے خیال میں زیادہ تھیں، شرح سود بھی زیادہ تھی۔ نئے مکانات بڑی تعداد میں فروخت ہو رہے تھے۔

گزشتہ 6 ماہ میں قیمتوں میں 2 فیصد تک کمی واقع ہوئی تھی جبکہ اضافہ صرف 5.0 فیصد ہی تھا، جو ہر سال یہی رجحان نوٹ کیا گیا تھا۔ بعض ایجنٹ کہہ رہے تھے کہ قیمتیں 15 سے 20 فیصد گری ہیں۔ لیکن اسرائیل کے سرکاری اعداد و شمار کچھ اور بتا رہے تھے۔ بہت سے حلقے خریداروں کو خاصی رعایت پر مکان تعمیر کر کے دینے پر آمادہ تھے۔ اس طرح ان کی کوشش تھی کہ خریداری کے رجحان کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کیا جائے۔

اسرائیل بھر میں گھروں کی نئی تعمیرات میں واپسی میں خوف کا عنصر نمایاں تھا۔ اس لیے گھروں کی قیمتیں بہت زیادہ تھیں۔ اس کی وجہ سے ڈویلپرز نے قیمتوں میں کمی بھی کر دی تھی۔ اب بھی 83,000 نئے اپارٹمنٹس فروخت کے لیے موجود ہیں۔ سی بی ایس کے ایک سروے کے مطابق 163,000 عمارات تعمیراتی مراحل میں تھیں۔ یہ پورے اسرائیل کا حال تھا۔ ان کے علاوہ مزید گھر بن رہے تھے۔ یہ سلسلہ 2025 تک جاری رہا تھا۔

اسرائیل میں کرایے پر گھر لینے کا رجحان 2024 تک بہت تیز تھا۔ اس وقت سرکاری سطح پر شرح سود صرف 0.1 فیصد تھی۔ اب شرح سود 4.25 ہوگئی تھی۔ بینک آف اسرائیل سود کی شرح میں مزید کمی جاری نہیں کر رہا تھا۔ دو سال سے یہی ریٹ برقرار تھا۔ ریئل اسٹیٹ کے کام میں دلچسپی رکھنے والے حلقوں کا کہنا تھا کہ شرح سود ان کے لیے نقصان کا سبب بن رہی ہے۔ فروخت کے رجحان میں بہت کمی آ رہی تھی۔ یہ تمام عوامل نئے خریدار کو مارکیٹ سے دور کر رہے تھے۔ فروخت میں سال بہ سال کمی آ رہی تھی۔ سال 2024 سے 2026 کے نسل کشی کے دو سال فروخت کنندگان کے لیے بہت برے ثابت ہوئے تھے۔ خریداروں نے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ تل ابیب خالی کرنے کا رجحان بڑھ رہا تھا کیونکہ لوگ اپنے گھروں کو کرائے پر دے کر کہیں اور مستقل ہونے کو ترجیح دے رہے تھے۔ گھروں کے کرایوں میں کمی کے باوجود لوگ بیت المقدس کی جرمن کالونی اور ریحاویہ میں جانے کے لیے کسی طرح بھی تیار نہیں ہو رہے تھے۔ تل ابیب میں گھر زیادہ تھے لیکن خریدار اور فروخت کرنے والے دونوں ہی غائب ہوتے جا رہے تھے۔

مہنگائی میں اضافہ: مستقبل پر نظر رکھنے والوں کا کہنا ہے کہ اب قیمتوں میں اضافہ ہونے جا رہا ہے۔ گزشتہ ماہ کی ہی بات ہے کہ اسرائیلی حکومت نے ایک فنانشل ایکشن پلان کی منظوری دی تھی۔ اس کا مقصد تعمیرات میں تیزی لانا تھا، مقامی حکام سے کردار کو مضبوط کرنا تھا اور ملک بھر میں استعداد کے مطابق گھروں کی تعداد میں اضافہ کرنا تھا۔ اس سارے پلان کا مقصد ہاؤسنگ پراجیکٹس کی قیمتوں میں کمی لانا تھا تاکہ شہریوں میں مکان خریدنے کی سکت میں اضافہ ہو سکے۔ تاہم پہلی حکومتوں نے اس سلسلے کو بہت سست رفتاری سے آگے بڑھایا تھا۔

ایران کے ساتھ جنگ کرنے والوں نے یہ سوچا ہی نہیں تھا کہ سب کچھ ملیا میٹ ہو کر رہ جائے گا۔ اسرائیل خود تورا بورا جیسا بن جائے گا، تباہی مقدر بن جائے گی۔ اسرائیل کے آٹھ ترقی یافتہ شہر بنکر کے زمانے کا منظر چند ہی دنوں میں پیش کرنے لگیں گے۔ پہلے اسرائیل میں ایسی زمین کم تھی جس پر مزید گھر تعمیر کیے جا سکیں گے۔ غزہ کا ملبہ بتاتے ہیں جس پر اس کی تعمیر کا کام کرنے والے اب کہہ رہے ہیں کہ اسرائیل کے ان شہروں کا ملبہ کون ہٹائے گا؟

3 سال بعد سرنگ سے واپسی ---- عجیب کرامات

سرنگوں کا اک محصور فرشتہ 3 سال بعد گھر واپس آ گیا ہے، جانبازوں کی کرامات اور اللہ کی مدد و نصرت کے عجیب واقعات لے کر۔

غزہ کے معروف داعی ڈاکٹر اُسامۃ الأشقر بتاتے ہیں کہ مجاہدین کے ساتھ محاذ میں ایک قاری صاحب تھے، جو نمازوں کی امامت کراتے۔ خاموش طبع انساں۔ زیادہ بات چیت سے گریزاں۔ معرکہ طوفان کے بعد وہ غائب ہو گئے۔ کچھ پتہ نہ چل سکا کہ کہاں ہیں۔ گھر والوں نے انہیں شہید سمجھ لیا تھا، یہاں تک کہ ان کی بیٹیوں کو یتیموں کے مدرسے میں داخل کر دیا تھا۔ اب یہ گمنام جانباز اچانک گھر واپس آ کر سب کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا ہے۔

ابتدا میں استفسار کے باوجود وہ کچھ نہیں بتا رہے تھے کہ وہ اتنے عرصے تک وہ کہاں اور کس حال میں تھے۔ مکمل خاموشی اختیار کر رکھی تھی، پھر جب اہل خانہ اور دوست احباب کی جانب سے مسلسل اصرار ہوا تو وہ اب کچھ حالات بیان کرنے لگے ہیں۔ ایسے واقعات کہ شاید ہی کوئی یقین کر لے۔

امام صاحب کہتے ہیں: ایک مرتبہ ہم کئی ہفتوں تک ایک سرنگ میں محصور رہے، جو دشمن کے بہت قریب تھی۔ چالیس دن گزر گئے، کھانا بہت ہی قلیل مقدار میں باقی رہ گیا اور پانی بھی ختم ہونے کے قریب تھا۔ ہم نہ حرکت کر سکتے تھے، نہ آواز نکال سکتے تھے۔ اسی حالت میں میں نے دعا کی:

''اے اللہ! تو جانتا ہے کہ ہمیں تیرے راستے میں جان دینا محبوب ہے، مگر ہمیں ایسی نجات عطا فرما جو لوگوں کے لیے نشانی بن جائے۔''

کچھ ہی دیر بعد اللہ نے ایک امدادی گاڑی بھیج دی، جو بظاہر راستہ بھٹک ہمارے پاس آ گئی تھی، اس نے سامان ہمارے قریب پھینک دیا۔ وہ لوگ شاید واپسی کے لیے گاڑی خالی کرنا چاہتے تھے، ہم نے یہ سامان سرنگ میں پہنچایا۔ اس میں سے کھایا اور کچھ بچا بھی لیا۔

لیکن پانی نہ تھا۔ پیاس شدت اختیار کر گئی۔ ایک ساتھی نے قریب ایک پرانے کنویں کا ذکر کیا۔ ہم رات کے وقت وہاں پہنچے تو وہ مٹی سے ڈھکا ہوا تھا۔ اب مٹی اور ملبہ ہٹانے کے لیے کھدائی کی ضرورت تھی، مگر اس سے آواز پیدا ہونے کا خطرہ تھا۔ دشمن چونکہ قریب تھا، اس لیے یہاں آواز خطرے سے خالی نہیں تھی۔

مگر اللہ تعالیٰ نے فوراً اپنی مدد بھیج دی۔ اسی وقت ریت کا طوفان اٹھا اور تیز آواز والی آندھی چل پڑی۔ اس کے شور میں ہم نے کھدائی کی، پانی نکالا، پیا اور اپنے ساتھ سرنگ میں بھی لے گئے۔ طوفان میں ہماری آواز دب گئی اور کام پورا ہو گیا۔ جس پر ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

وہ کہتے ہیں: مجھے اسی وقت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مشہور مقولے کا مفہوم سمجھ آ گیا، جو آپ نے اپنے کمانڈر سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

احرص على الموت تُوهَب لك الحياة

''تم موت چاہو تو تجھے زندگی ملے گی۔''

پھر انہوں نے قرآن کریم کی یہ آیات پڑھیں:

"وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا"

(سورۃ الطلاق: 2-3)

''اور جو شخص اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا' اللہ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا راستہ پیدا کر دے گا۔ اور اسے وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہو گا اور جو کوئی اللہ پر توکل کرتا ہے تو اس کے لیے وہ کافی ہے۔ اللہ تو یقیناً اپنا کام پورا کر کے ہی رہتا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔''

لبنان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مجسمہ توڑنے والا ہمارا فوجی ہے: اسرائیل

اسرائیل کی فوج نے تصدیق کی ہے کہ سوشل میڈیا پر گردش کرنے والی ایک تصویر، جس میں جنوبی لبنان میں ایک اسرائیلی فوجی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مجسمے پر حملہ کرتے دکھایا گیا ہے، اصلی ہے۔

تصویر میں بظاہر ایک اسرائیلی فوجی کو ہتھوڑے سے مجسمے کے سر پر ضرب لگاتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔

یہ مجسمہ جنوبی لبنان کے گاؤں ڈبل میں واقع ہے، جو اسرائیلی سرحد کے قریب ہے۔ مقامی بلدیہ کے مطابق مجسمہ وہاں موجود ہے، تاہم حکام یہ نہیں بتا سکے کہ اسے کتنا نقصان پہنچا۔

اسرائیلی فوج نے اپنے سرکاری سوشل میڈیا اکاؤنٹ پر کہا کہ وہ اس واقعے کو 'انتہائی سنجیدگی' سے دیکھتی ہے اور یہ کہ 'فوجی کا طرزِ عمل فوجی اقدار کے بالکل برعکس ہے۔'

فوج کے مطابق ابتدائی تحقیقات کے بعد تصدیق ہوئی کہ تصویر میں دکھایا گیا شخص واقعی جنوبی لبنان میں تعینات ایک اسرائیلی فوجی ہے۔

اس واقعے کی تحقیقات شمالی کمانڈ کر رہی ہے اور معاملہ کمانڈ چین کے ذریعے نمٹایا جا رہا ہے۔

فوج نے کہا کہ ملوث افراد کے خلاف 'مناسب کارروائی' کی جائے گی، تاہم مزید تفصیلات نہیں بتائی گئیں۔

فوج نے یہ بھی کہا کہ وہ مقامی لوگوں کے ساتھ مل کر مجسمے کو دوبارہ اپنی جگہ پر بحال کرنے کا کام کر رہی ہے۔

اسرائیلی وزیر خارجہ گدعون ساعر نے اس عمل کو 'شرمناک اور قابلِ مذمت' قرار دیتے ہوئے کہا کہ ملوث افراد کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔

لبنان مارچ کے اوائل میں مشرق وسطیٰ کی جنگ میں اس وقت شامل ہوا جب حزب اللہ نے ایران کی حمایت میں اسرائیل پر راکٹ حملے کیے، جس کے جواب میں اسرائیل نے لبنان بھر میں شدید فضائی حملے اور جنوبی علاقوں میں زمینی کارروائی شروع کی۔

دونوں ممالک کے درمیان جنگ بندی ہونے کے باوجود اسرائیلی افواج جنوبی لبنان میں اب بھی موجود ہیں۔

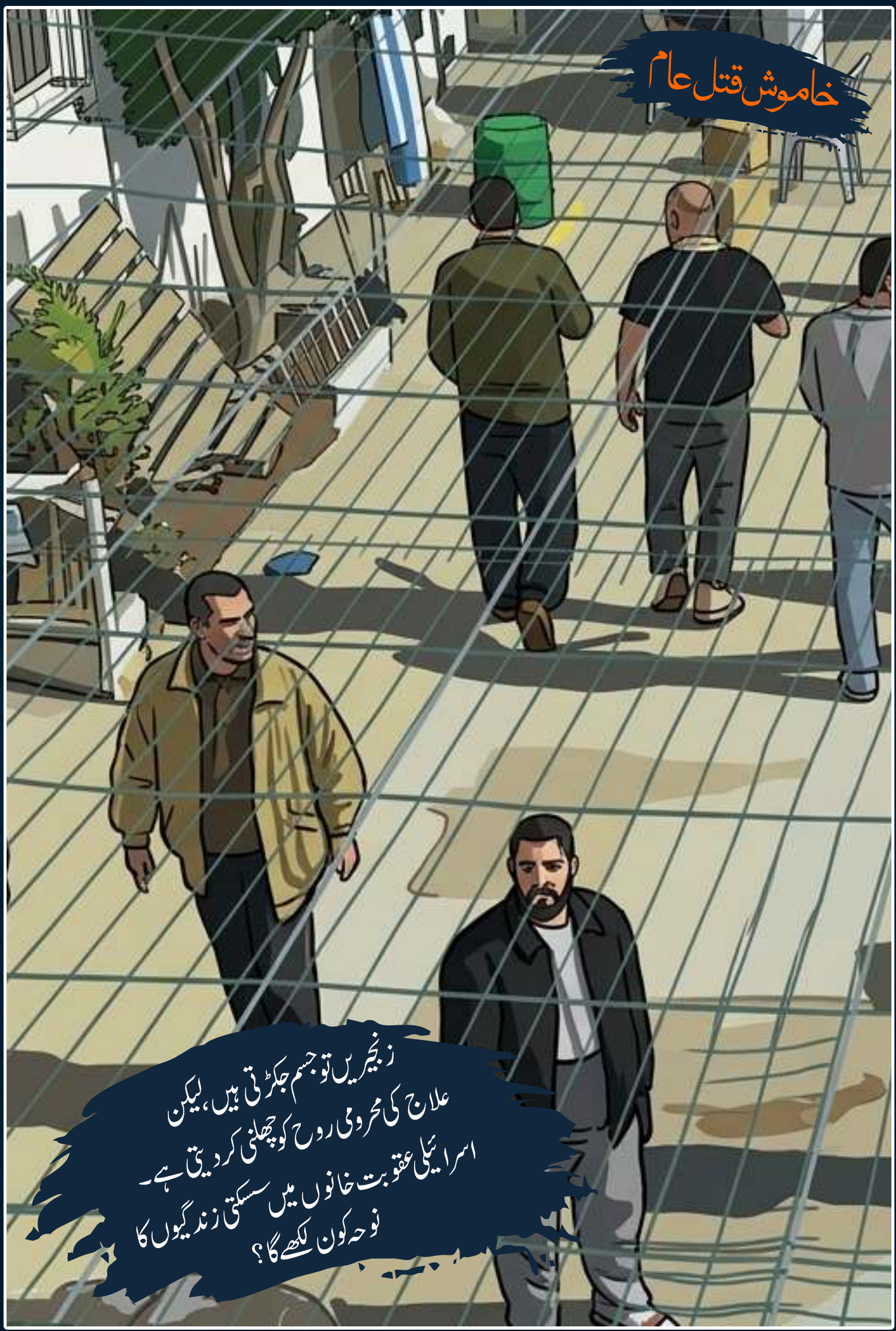
خاموش قتل عام
زنجیریں تو جسم جکڑتی ہیں، لیکن
علاج کی محرومی روح کو چھلنی کر دیتی ہے۔
اسرائیلی عقوبت خانوں میں سسکتی زندگیوں کا
نوحہ کون لکھے گا؟

''مظلومیت کی نئی پہچان''

وہ بچی جس کی چٹیاں دنیا کی بے حسی کے منہ پر طمانچہ ہیں۔

یہ صرف ایک تصویر نہیں، سوئی ہوئی انسانیت کو جگانے والا ایک نیا استعارہ ہے۔